جب کچھ وقت گزر گیا تو آیا۔ اس پر کسی قدر نشہ طاری معلوم ہوتا تھا۔ سید الشریف کو سلام کیا، اور مسکرایا۔ یہ سلطان کو آطا[1] کہتا تھا۔ جو ترکی زبان میں باپ کو کہتے ہیں۔ پھر ہم نے نماز جمعہ ادا کی۔ لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور سلطان بارگاہ میں واپس گیا، اور نماز عصر تک وہیں رہا۔ پھر تمام لوگ واپس آ گئے۔ اسی رات کو بادشاہ اپنی خواتین اور لڑکی کے ساتھ رہا۔ پھر عید کے بعد ہمارا سلطان کے ساتھ کوچ ہوا اور ہم شہر الحاج ترخان میں وارد ہوئے۔

دریائے دولگا کی منجمد سطح پر آمدورفت

ترخان اس موضع کو کہتے ہیں۔ جو محاصل ادا کرنے سے مستثنیٰ ہو۔ ایک ترکی حاجی تھا۔ جو اس مقام پر اترا تھا۔ اور یہ مقام سلطان نے اس کے لئے معاف کر دیا تھا۔ پھر یہ گاؤں ہو گیا۔ پھر بڑی آبادی ہو گئی۔ اور شہر بن گیا۔ یہ اچھے شہروں میں سے ہے، بڑے بازاروں پر مشتمل ہے، اور نہر اتل[2] پر واقع ہے، یہ دنیا کی بڑی نہروں میں سے ہے، سلطان کا یہیں قیام رہتا ہے، جب سخت سردی پڑتی ہے، تو اس نہر کا پانی جم جاتا ہے، پھر لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے، یہ ہزاروں گھاس کے گٹھے لاتے ہیں۔ اور سطح منجمد پر بچھا دیتے ہیں۔ یہاں کی گھاس چوپائے نہیں کھاتے۔ کیونکہ یہ ان کے لئے ضرر رساں ہے، اور گاڑیوں کے اوپر اس نہر سے عبور کرتے ہیں، اکثر قافلے بھی اس پر سے گذر جاتے ہیں۔ لیکن آخر جاڑے کی فصل میں ڈوب جاتے، اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔

---

[1] یہ وہی لفظ ہے، جو اردو میں "دوآتا" لکھا جاتا ہے، جیسے مصطفےٰ کمال پاشا کے لئے "اتاترک"۔

[2] یعنی دریائے دولگا۔

میرا سفر قسطنطنیہ

شہنشاہ سلطان معظم کی عیسائی بیوی کی ہمراہی میں

شہنشاہ قسطنطنیہ کے دربار میں حاضری مسلمانوں پر پابندیاں

شہر ترخان میں جب ہم پہونچے تو خاتون بیلون نے سلطان سے اجازت چاہی کہ اپنے والد شہنشاہ قسطنطنیہ کے پاس جائے۔ تاکہ وضع حمل وہیں ہو۔ پھر اس سے فراغت کے بعد واپس آجائے۔ اجازت مل گئی، اور میں نے بھی اجازت چاہی کہ قسطنطنیہ عظمیٰ دیکھ آؤں۔ بخوف گزند مجھے منع کر دیا میں نے اس کا دل زیادہ ہاتھ میں لیا۔ اور کہا سنا کہ جب میں آپ کی حرمت اور جوار میں وہاں داخل ہوں گا۔ تو مجھے کسی کا کیا خوف، اس لئے مجھے اجازت دیدی۔ ہم سلطان سے رخصت ہوئے۔ مجھے ایک ہزار پانچ سو دینار دیئے۔ خلعت عطا کی۔ اور بہت سے گھوڑے دیئے۔

سلطان المعظم کی عیسائی بیوی کی روانگی کا پر جلال نظارہ

دس شوال کو ہم خاتون بیلون کی معیت میں روانہ ہوئے۔ ایک منزل سلطان اسے پہنچانے بھی آیا تھا۔ پھر واپس چلا گیا۔ اور ملکہ اور ولی عہد بھی تھے، نیز ساری خواتین نے بھی اس کی معیت میں دو منزل تک سفر اختیار کیا۔ پھر واپس آگئیں۔ اس کے ساتھ امیر بیدرۃ بھی پانچ ہزار لشکر کی سرکردگی میں تھا۔ اور خاتون کا لشکر تقریباً پانچ سو سوار

لے یہ خاتون عیسائی تھی، کیونکہ اس کا باپ شہنشاہ قسطنطنیہ عیسائی تھا۔ شادی باپ کی رضامندی سے ہوئی تھی۔ قسطنطنیہ اب تک فتح نہیں ہوا تھا۔ خالص عیسائی شہر تھا۔

تھے۔ ان میں سے دو سو اس کے ممالک اور باشندگان روم تھے۔ اور باقی ترکوں میں سے۔ اس کے ساتھ تقریباً سو چھوکریاں بھی تھیں۔ لیکن اکثر رومی، اور گاڑیوں میں سے تقریباً چار سو گاڑیاں اور دو ہزار کے قریب ان کے کھینچنے کے کام کے لئے۔ دس رومی فتیان اور اسی قدر ہندی ان کے بڑے سردار کا نام ستیبل ہندی تھا۔ رومیوں کے سردار کا نام میخا ئیل ترک اسے لو لوہ کہتے تھے، یہ بڑا بہادر تھا۔ بیلون نے اپنی اکثر چھوکریاں اور سامان سلطان کے لشکر میں چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ صرف باپ سے ملنے اور وضع حمل کے لئے جا رہی تھی۔

یہ اچھا شہر ہے، عمارتیں خوب صورت موسم سخت سرد اس شہر سے ایک دن کے فاصلہ پر روس کے پہاڑ واقع ہیں۔ باشندگان روس نصاریٰ ہیں۔ ان کے بال بھورے اور آنکھیں کرنجی ہوتی ہیں اور بدصورت۔ دغاباز۔

دشت قفچاق کے ایک ساحلی شہر سرادق میں آمد

پھر ہمارا ورود شہر سرادق میں ہوا۔ یہ دشت قفچاق کے شہروں میں سے ساحل بحر پر واقع ہے اس کی لنگر گاہ بڑی لنگر گاہوں میں سے ہے، اور نہایت اچھی۔ اس کے باہر باغات اور پانی ہیں یہاں ترک اترتے ہیں۔ رومیوں کا ایک گروہ ذمی ہے، یہ لوگ پیشہ ور ہیں۔ ان کے اکثر مکانات لکڑی کے ہوتے ہیں۔ یہ بڑا شہر تھا، رومیوں اور ترکوں میں جنگ واقع ہونے کی وجہ سے اس کا بڑا حصہ ویران ہو گیا ہے، پہلے پہل رومی غالب رہے۔ لیکن ترکوں نے خون کی ندیاں بہا دیں، آخر اکثر رومی شہر بدر کر دیئے گئے۔ جو کچھ رہ گئے، وہ اب تک ذمی[1] چلے آ رہے ہیں۔

پھر ہم شہر بابا سلطوق میں وارد ہوئے۔ یہ شہر ترکوں کی بلاد میں سے ہے۔

اٹھارہ دن سفر طے کرنے کے بعد ہم قلعہ مقہولی میں داخل ہوئے۔

یہ قلعہ مقہولی حکومت روم کی پہلی جگہ ہے، جب حاکم روم نے خاتون کے آنے کی خبر سنی تو اس قلعہ میں کفالی نقولہ رومی کو بہت بڑے لشکر اور ضیافت عظیمہ کے ساتھ اس سے ملنے کیلئے بھیجا۔ خواتین اور دایہ بھی اس کے باپ یعنی شہنشاہ قسطنطنیہ کے یہاں آئیں۔ مقہولی اور قسطنطنیہ کے مابین بائیس دن کی مسافت ہے، اس قلعہ سے صرف گھوڑوں اور خچروں سے سفر ہو سکتا ہے، گاڑیاں اسی میں

---

[1] یعنی مسلمانوں کے محکوم۔

چھوڑ دی جاتی ہیں۔ کیونکہ آگے سنگستان اور پہاڑ ہیں، کفالی مذکور بہت سے خچر لے کر آیا تھا۔ ان میں سے کچھ خاتون نے میرے لئے بھیجے تھے۔

میری نماز پر عیسائی غلاموں کا تمسخر، اور ان کی مرمت

پھر امیر اپنے لشکر کے ساتھ چلا گیا۔ اور خاتون کے ساتھ سوا اس کے اور کوئی بھی نہ گیا۔ وہ اپنی مسجد اسی قلعہ میں چھوڑ گئی[1]، اذان کہنے کا حکم جاتا رہا[2]۔ ضیافت میں خاتون کے لئے شراب آیا کرتی تھی[3] یہ اسے پیتی تھی۔ اور سور بھی آئے تھے، مجھے اس کی بعض خواصوں نے بتایا کہ اس نے سور کھایا بھی تھا[4] اور اب اس کے ساتھیوں کے سوا ترکوں کے کوئی نماز پڑھنے والا نہ رہا۔ ہمارے قلوب میں بلاد کفر میں جانے سے تبدیلی واقع ہو گئی ہے، لیکن خاتون نے امیر کفالی کو میرے اکرام کے لئے حکم دیا تھا، چنانچہ اپنے بعض غلاموں کو جو ہماری نماز پر ہنستے تھے[5] خوب مارا۔

بہن کا استقبال کرنے کے لئے یونانی شہزادوں کی بالشکر گراں آمد

پھر ہمارا شہر الفنیکہ میں ورود ہوا۔ یہ چھوٹا سا محفوظ شہر ہے، اس کے گرجا اور مکانات اچھے ہیں نہریں درمیان سے نکل گئی ہیں، اور باغات گھرے ہوئے ہیں۔ انگور، آلو۔ سیب اور بہی دوسرے سال تک ذخیرہ رکھے جاتے ہیں۔ ہمارا اس شہر میں تین دن تک قیام رہا۔ خاتون یہیں اپنے باپ کے ایک قصر میں مقیم ہوئی۔ پھر اس کا سگا بھائی آیا۔ اس کا نام کفالی قراس تھا۔ اس کی معیت میں پانچ ہزار مسلح سوار تھے۔

پھر خاتون اپنے غلاموں۔ چھوکریوں اور سواروں کے ساتھ سوار ہوئی۔ جو قریب پانچ سو کے تھے، ریشمی جواہر کار لباس میں ملبوس۔ خاتون کا لباس شح کا تھا۔ اس میں جواہرات لگے ہوئے تھے،

---

[1] یہ عارضی مسجد ہوتی ہے صرف سفر کے لئے۔

[2] اب کون تھا، جو یہاں اذان دیتا؟

[3] یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ اپنے مذہب پر قائم تھی، یعنی عیسائی تھی۔

[4] یہ ثبوت مزید ہے۔

[5] ظاہر ہے یہ کافر ہے۔

اور اس کے سر پر مرصع تاج تھا۔ اور گھوڑے پر حریر کی جھول پڑی ہوئی تھی۔ جس میں زرتار کام تھا اس کے ہاتھوں میں سونے کے بجنے والے کنگن اور پیروں میں جھانجن تھے۔ اور گردن میں جواہر نگار زیورات زین کی بلندیاں سونے سے منڈھی ہوئی، اور جواہرات سے مرصع تھیں۔ ان دونوں کا ملاپ ایک وسیع زمین میں ہوا جو آبادی سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر تھی۔ اس کا بھائی تعظیماً اتر پڑا۔ کیونکہ یہ اس سے عمر میں چھوٹا تھا۔ اس کی رکاب کو بوسہ دیا۔ اس نے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ کل امراء اور شہزادگان پاپیادہ ہو گئے۔ اور سب نے اس کی رکاب کو بوسہ دیا۔ پھر یہ اپنے بھائی کے ساتھ چلی گئی۔

پھر دوسرے دن ہم ایک بڑے شہر میں پہونچے، جو سمندر کے ساحل پر واقع ہے مگر اس وقت مجھے اس کا نام نہیں یاد ہے، یہ نہروں اور درختوں پر مشتمل تھا۔ ہم اس کے باہر اترے تھے، یہاں خاتون کا بھائی ولی عہد ہے، نہایت ترتیب اور بکثرت لشکر کے ساتھ پہونچا، جو دس ہزار زرہ پوش تھے، اس کے سر پر تاج تھا۔ اور داہنی طرف بیس ہزار سوار اور اسی قدر بائیں طرف، اس نے اپنے گھوڑوں کی ترتیب اپنے بھائی کی ترتیب پر رکھی۔ صرف اس قدر فرق تھا کہ اس کا جلوس بڑا اور جمعیت زیادہ تھی۔ یہ اپنے بھائی سے اسی پہلے طریقہ کے مطابق ملی۔ دونوں پیادہ پا ہوئے اور ایک حریر کے خیمے میں داخل ہوئے، اس لئے مجھے ان دونوں کے سلام کی کیفیت نہیں معلوم ہوئی

شہنشاہ قسطنطنیہ بیٹی کے خیر مقدم کو باصد جاہ و تجمل آتا ہے

ہم قسطنطنیہ سے دس میل کے فاصلہ پر اترے، جب دوسرا دن ہوا تو اس کے باشندے مرد اور عورتیں اور لڑکے سوار اور پیادہ نہایت ٹھاٹھ دار لباس فاخرہ پہن کر نکلے۔ صبح کے قریب طبل۔ قرنا۔ اور نفیریاں بجائی گئیں۔ لشکر سوار ہوئے، اور بادشاہ اس کی ملکہ خاتون بیلون کی ماں کا ارباب دولت اور خواص نکلے۔ بادشاہ کے سر پر ایک سائبان یا شامیانہ اٹھائے ہوئے تھے۔ رواق یا سائبان کے درمیان میں قبہ کی طرح ایک چیز تھی جسے سوار چوبوں سے بلند لئے ہوئے تھے۔ جب بادشاہ سامنے آیا تو تمام لشکر مل گئے، اور گرد بلند ہوئی۔ اس ہجوم میں گھسنے کی مجھ میں طاقت نہ تھی۔ اس لئے میں اپنی جان کی حفاظت کی وجہ سے خاتون کے سامان اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہولیا مجھ سے ذکر کیا گیا کہ جب وہ اپنے والدین کے قریب پہونچی، تو پیادہ پا ہو گئی اور ان کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ پھر ان گھوڑوں کے سموں کو چوما۔

دنیائے عیسائیت کے سب سے بڑے اور تہذیبی و ثقافتی شہر قسطنطنیہ کا دیدار

ہیں زوال کے قریب یا اس کے بعد قسطنطنیہ عظمیٰ میں وارد ہوا۔ اس وقت یہاں کے باشندوں نے ناقوس بجائے جن سے تمام عالم گونج اٹھا۔ جب ہم شہنشاہ کے قصر کے دروازوں میں سے پہلے دروازہ پر پہونچے۔ تو وہاں تقریباً سو آدمی مع اپنے افسر کے چبوترے پر کھڑے ہوئے ملے۔ میں نے انہیں سراکنو سراکنو کہتے ہوئے سنا۔ اس کے معنی مسلمان مسلمان کے ہیں۔ اور ہمیں داخل ہونے سے روکا۔ خاتون کے ساتھیوں نے ان سے کہا کہ یہ ہماری طرف کے لوگ ہیں۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ بغیر اجازت ہم نہ جانے دیں گے۔ اس لئے ہم دروازہ ہی پر کھڑے رہے۔ اور خاتون کا کوئی ساتھی چلا گیا۔ اور کسی شخص سے اس امر کی اطلاع کرائی۔ اس وقت وہ اپنے باپ کے حضور میں تھی۔ چنانچہ اس سے اس نے ہمارے بارے میں ذکر کیا۔ اس لئے ہمارے داخلہ کے لئے حکم ہوگیا۔ اور ہمارے اترنے کیلئے خاتون کے گھر کے قریب ایک گھر معین کیا۔ اور ہمارے متعلق ایک حکم صادر کیا کہ جہاں بھی شہر میں جائیں کوئی معترض نہ ہو اس کی بازاروں میں منادی کردی گئی۔ اس مکان میں ہمارا تین دن تک قیام رہا آٹا۔ روٹی۔ بھیڑ۔ مرغیاں۔ گھی۔ پھل۔ مچھلی ضیافت میں اور درا ہم اور فرش بھیجا۔ چوتھے روز ہم بادشاہ کے حضور میں گئے۔

شہنشاہ قسطنطنیہ کے حضور میں حاضری، میری تلاشی، ایوان شاہی اور دربار خسروی کی کیفیت

اس کا نام تکفور ابن سلطان جرجیس ہے، سلطان جرجیس اس کا باپ ہنوز بقید حیات ہے، لیکن زاہد اور راہب بن گیا ہے، اور عبادت کیلئے دنیا سے منقطع ہو کر کنیسوں میں زندگی بسر کرنی شروع کی ہے، اور ملک اپنے بیٹے کو سپرد کر دیا ہے۔

قسطنطنیہ میں ہمارے پہنچنے سے چوتھے دن میرے پاس خاتون نے جوان سنبل الہندی کو بھیجا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے قصر کے اندر لے گیا ہم نے چار دروازے طے کئے۔ جب ہم پانچویں

۱ے مسلمانوں کو قسطنطنیہ میں داخل ہونے تک کی اس رشتہ کے باوجود اجازت نہ تھی، اور عیسائی و یہود زرک کے بلاد میں آرام سے رہتے تھے۔

دروازے پر پہونچے۔ تو جوان سنبل مجھے چھوڑ کر خود چلا گیا۔ اور پھر واپس آیا۔ اس کے ساتھ چار رومی جوان اور تھے۔ انہوں نے میری تلاشی لی۔ مبادا میرے پاس کوئی پیش قبض یا خنجر وغیرہ ہو، افسر نے مجھ سے کہا، ان کی یہی عادت ہے، ہر شخص جو بادشاہ کے پاس جاتا ہے خواہ خاص ہو یا عام، پردیسی ہو یا شہری۔ کوئی مستثنیٰ نہیں۔

جب میری تلاشی لے چکے تو جو دروازے پر تعینات تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور دروازہ کھولا۔ اور چار شخص اور میرے گرد ہوئے۔ دو نے تو میری آستینیں پکڑیں۔ اور میرے پیچھے ہوئے اور دیوان شاہی میں مجھے لے جاکر داخل کر دیا۔ جس کی دیواریں الفسیفار کی تھیں، اور اس میں حیوانات اور جمادات مخلوقات میں سے شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ اس دیوان شاہی کے وسط میں پانی کا ایک حوض تھا۔ جس کے دونوں جانب درخت لگے ہوئے اور دا ہنے اور بائیں لوگ خاموش سکوت میں کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی نہ بولتا تھا۔ دیوان شاہی۔ کے وسط میں تین شخص کھڑے ہوئے تھے۔ ان چاروں نے مجھے ان کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے اسی طرح میرے کپڑے پکڑے۔ جس طرح پہلوں نے پکڑے تھے۔ انہیں ایک شخص نے اشارہ کیا۔ چنانچہ یہ مجھے آگے لے گئے۔ ان میں سے ایک یہودی تھا۔ اس نے مجھ سے عربی میں کہا۔ ڈرو مت ان کا یہی طریقہ ہے ہر نوا رد کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ میں ترجمان ہوں۔ اور بلاد شام میرا وطن ہے۔ میں نے اس سے دریافت کیا۔ میں سلام کیونکر کروں۔ کیا دستور ہے، اس نے بتایا یہ کہنا "السلام علیکم"

شہنشاہ قسطنطنیہ کے مجھ سے سوال و جواب، میرے ساتھ حسن سلوک کا اظہار

پھر میں ایک بڑے قبہ میں پہنچا شہنشاہ تخت پر بیٹھا تھا۔ اور اس کی ملکہ اس خاتون کی ماں سامنے تھی، اور تخت کے نیچے خاتون اور اس کے بھائی تھے۔ بادشاہ کی دائیں جانب چھ شخص اور بائیں جانب چار، اور چار ہی سر پر کھڑے ہوئے تھے۔ یہ سب مسلح تھے۔ مجھے سلام کرنے اور اس کے قریب پہونچنے سے پہلے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤں تاکہ دل کو سکون ہو۔ اور رعب کا اثر جاتا رہے، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر میں اس کے قریب پہونچا۔ سلام بجا لایا۔ مجھے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤں۔ لیکن میں نے پاس ادب شاہی سے ایسا نہ کیا مجھ سے بیت المقدس۔ الصخرۃ المقدسۃ القمامہ، مہد عیسیٰ۔ بیت لحم۔ مدینۃ الخلیل ؑ کے متعلق دریافت کرتا رہا۔ پھر دمشق، مصر، عراق، اور بلاد روم کے حالات پوچھے۔ میں نے کل حالات عرض کئے۔ وہ یہودی میرے اور اس کے

درمیان مترجم تھا۔ اسے میری گفتگو بہت پسند آئی۔ اور اپنے بیٹوں سے کہا۔ اس شخص کا اکرام کرو۔ اور اسے امن دو۔ پھر مجھے ایک خلعت عطا کی۔ اور میرے لئے ایک زین کسے ہوئے، اور لگام لگے ہوئے گھوڑے کے لئے حکم کیا۔ اور ایک چھتری جسے بادشاہ نے خود میرے سر پہ لگایا۔ یہ امان کی علامت ہے۔ میں نے اس سے عرض کیا کہ میرے لئے ایک شخص معین کیجئے۔ جو روزانہ شہر میں میرے ساتھ سوار ہو کر سیر کرائے۔ تاکہ میں اس کے عجائب و غرائب کا مشاہدہ کروں۔ اور اپنے بلاد میں جاکر ذکر کروں۔ چنانچہ میرے لئے اس مقصد کے لئے ایک آدمی معین کردیا گیا۔ ان لوگوں کی عادات میں سے ہے کہ جو شخص بادشاہ کی عطا کی ہوئی خلعت پہنتا ہے یا اس کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے، تو اسے شہر کے بازاروں میں قرنا نفیریوں اور طبلوں کے ساتھ نکالتے ہیں تاکہ لوگ اسے دیکھیں۔ اکثر ان ترکوں کے ساتھ یہی فعل کیا جاتا ہے، جو سلطان اوزبک کے بلاد سے آتے ہیں۔ تاکہ انہیں کوئی ایذا نہ پہونچائے۔ پس مجھے بازاروں کی اسی صورت سے سیر کرائی۔

عیسائی دنیا کے سب سے بڑے، باجلال، پرشکوہ اور شاندار شہر قسطنطنیہ کا نظارہ

یہ انتہائی بڑا شہر ہے، اور دو حصوں میں منقسم ہے۔ درمیان میں ایک بہت بڑی نہر ہے جس میں بلاد المغرب کی وادی سلا کی طرح مدوجزر ہوتا رہتا ہے۔ پہلے زمانہ میں اس پر ایک پل بنا ہوا تھا۔ اب وہ ویران ہوگیا ہے۔ اسے کشتیوں کے ذریعہ عبور کرتے ہیں۔ اس نہر کا نام آلسمی ہے، اس شہر کی دو قسموں میں سے ایک قسم کا نام اصطنبول[1] ہے۔ یہ نہر کے شرقی کنارہ پر واقع ہے۔ شہنشاہ ارباب دولت اور تمام لوگ اسی میں رہتے ہیں۔ اس کے بازار اور راستے سنگین بہتر کے وسیع واقع ہوئے ہیں۔ ہر پیشہ والے علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں۔ ان کے سوا کوئی دوسرا ان میں شریک نہیں ہونے پاتا۔ تمام بازاروں میں دروازے ہیں۔ جو رات کو بند کر دیئے جاتے ہیں۔ بازاروں میں اکثر پیشہ ور اور دوکاندار عورتیں ہیں۔ شہر پہاڑ کی بلندی پر واقع ہے، جو تقریباً نو میل تک بحر میں داخل ہے، اس کا عرض بھی اسی قدر ہے، اس کے جانب اعلیٰ میں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے، شہنشاہ کا قصر اور شہر پناہ اس پہاڑ کو احاطہ کئے ہوئے

---

[1] استنبول۔ جسے ترکوں نے اسلامبول کردیا تھا۔

ہے، اس وجہ سے سمندر کی طرف سے آنے کا کسی کے لئے راستہ نہیں۔ اس میں تقریباً تیرہ آباد گاؤں ہیں۔ اور بڑا کنیسہ شہر کے اس حصہ کے وسط میں ہے۔

اس کے دوسرے حصہ کا نام الغلطہ ہے، یہ نہر کے غربی کنارہ پر واقع ہے، اور رباط الفتح کے مشابہ جو اسی نہر کے قریب واقع ہے، یہ حصہ نصاریٰ فرنگ کے لئے مخصوص ہے، جو اس میں رہتے ہیں۔ یہ کئی قسم کے ہیں۔ ان میں سے جنوا کے باشندے بھی ہیں، بنادقہ یا دنیشیاہ کے رہنے والے باشندگان ٹرانس۔ ان پر حکومت شہنشاہ قسطنطنیہ ہی کی ہے، ان پر ایک مقدم ہوتا ہے۔ لسے لوگ پسند بھی کرتے ہیں۔ اور اسے القمص کہتے ہیں، ان پر شہنشاہ قسطنطنیہ کے لئے ہر سال کچھ رقم کی ادائیگی کا تعین ہے۔ بعض اوقات جب یہ شہنشاہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ تو شہنشاہ ان سے لڑتا ہے، حتیٰ کہ پابا دونوں کے مابین صلح کرا دیتا ہے، یہ سب اہل تجارت ہیں۔ ان کا لنگرگاہ تمام لنگرگاہوں سے بڑا ہے، میں نے اس میں القرا قر قسم کے سو جہاز اور ان کے سوا بڑے بھی دیکھے۔ اور چھوٹے جہاز تو احاطہ شمار سے باہر ہیں۔ اس حصہ کے بازار گو اچھے ہیں۔ لیکن ان پر گندگی غالب ہے، ان کے درمیان سے ایک چھوٹی سی نہر نکل گئی ہے، یہ بھی گندی اور نجس ہے۔ ان کے کنیسے بھی گندے ہیں، جن میں کوئی خوبی نہیں۔

دنیائے عیسائیت کے مقدس ترین گرجا "ایا صوفیہ" میں داخلہ، وہاں کے راہب اور راہبات

ہم اس کے بیرونی حالات بیان کرتے ہیں۔ اندرون کا مشاہدہ نہیں کیا ہے، یہ لوگ اسے ایا صوفیا[1] کہتے ہیں کہ اسے آصف بن برخیا نے بنوایا تھا۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی خالہ کے لڑکے ہیں۔ یہ روم کے کنیسوں میں سب سے بڑا ہے، اس کے گرداگرد ایک پناہی دیوار ہے گویا کہ یہ ایک شہر ہے، اس کے تیرہ دروازے ہیں۔ اور صحن تقریباً ایک میل ہے۔ اس میں ایک بہت بڑا پھاٹک لگا ہوا ہے، کسی کو اس میں داخل ہونے کی ممانعت نہیں ہے، میں اس میں شہنشاہ کے والد کی معیت میں گیا جن کا ذکر آئے گا۔ یہ دیوان خانہ کے مشابہ ہے، اور سطح یا فرش سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے، اس کے درمیان سے ایک چھوٹی سی نہر گئی ہے۔ جو کنیسہ سے نکلتی ہے، اس میں

---

[1] عیسائیوں کا سب سے بڑا گرجا، جسے فتح کے بعد سلطان محمد ثانی نے مسجد بنا دیا۔ اور اب مسجد ایا صوفیہ کے نام سے مشہور ہے۔

دو دیواریں تقریباً ایک گولمبی چلی گئی ہیں ۔ یہ سنگ مرمر کی ہیں۔ اور نہایت صنعت سے نقاشی کی ہوئی ہے، نہر ہذا کے دونوں طرف نہایت ترتیب سے درخت بھی لگے ہوئے ہیں۔کنیسہ کے دروازے سے دیوان خانہ کے دروازہ تک لکڑی کا ایک بلند چھتا ہے، جس پر انگور کی بیلیں چڑھی ہوئی ہیں ۔اس کے نیچے چمبیلی اور خوشبودار درخت ہیں۔ دیوان خانہ کے دروازہ سے باہر ایک لکڑی کا قبہ ہے، جس میں لکڑی کی نشستیں پڑی ہیں۔ ان پر اس دروازہ کے خادم بیٹھتے ہیں۔ قبہ کے داہنی طرف چبوترے اور دوکانیں ہیں۔جو اکثر لکڑی ہی کی بنی ہیں۔ اس پر ان کے قاضی اور دفتروں کے محرر بیٹھتے ہیں ۔ان دوکانوں کے وسط میں ایک لکڑی کا قبہ ہے، اس پر لکڑی کی سیڑھیوں سے چڑھتے ہیں ۔ اس میں ایک بڑا تخت پڑا ہوا ہے، جس پر غلاف چڑھا ہوا ہے، اس پر ان کا قاضی بیٹھتا ہے، اس دیوان خانہ کے دروازہ پر جو قبہ ہے، اس کے بائیں طرف عطاروں کا بازار ہے، اور جس نہر کا ہم نے ذکر کیا ہے، دو شاخوں میں منقسم ہوجاتی ہے، ایک شاخ تو عطاروں کے بازار کو چلی جاتی ہے، اور دوسری اس بازار سے گذرتی ہے جس میں قاضی اور محرر ہیں۔

کلیسائے ایا صوفیہ کا اندرونی نظارہ: صلیب اعظم کو سجدہ کرنے کی رسم

کنیسہ کے دروازہ پر سائبان ہیں۔ جن میں اس کے وہ خادم بیٹھتے ہیں۔ جن کے متعلق اس کے راستوں کی جاروب کشی ۔اس کے چراغ جلانا ۔اور اس کے دروازوں کا بند کرنا ہے ،یہ کسی کو اس کے اندر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ حتّٰی کہ وہ اس صلیب اعظم کو سجدہ کرے جس کے متعلق ان کا گمان ہے کہ اس لکڑی کی بقیہ ہے، جس پر حضرت عیسٰی علیہ السّلام مصلوب کئے گئے تھے ۔ یہ کنیسہ کے دروازہ پر سونے کے میان کے اندر رکھی ہوئی ہے، اس کا لمبان تقریباً دس گز ہے، اور اسی کی صورت کا بنا کر سونے کا ایک خلادار بینڈا میان رکھ دیا ہے، تاکہ صلیب کی صورت بن جائے، یہ دروازہ چاندی اور سونے کے پتروں سے منڈا ہوا ہے ، اور اس کی دونوں زنجیریں خالص سونے کی ہیں، مجھ سے ذکر کیا گیا کہ اس کنیسہ میں راہبان اور قسیسین کی تعداد دو ہزار تک پہنچتی ہے، ان میں سے بعض حوارین کی نسل سے ہیں ۔ اس کے اندر ایک کنیسہ عورتوں کیلئے مخصوص ہے، جو کنواری ہیں، اور عبادت کے لئے دنیا سے تعلق منقطع کر لیا ہے، ان کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے، اور دوسری رہنے والی عورتوں کی تعداد اس سے زائد ہے ۔

شہنشاہ ارباب دولت اور تمام لوگوں کی یہ عادت ہے کہ روزانہ صبح کے وقت اس کنیسہ کی

زیارت کے لئے آتے ہیں۔ اور پوپ اس میں سال میں ایک مرتبہ آتا ہے، اور جب شہر سے چار منزل کی مسافت پر رہ جاتا ہے، تو شہنشاہ اس کی ملاقات کو نکلتا ہے، اور اس کیلئے پا پیادہ ہو جاتا ہے۔ جب یہ شہر میں داخل ہو جاتا ہے، اس کے سامنے پیادہ پا چلتا ہے۔ [۱]

عیسائی خانقاہوں میں گذارہ راہبات کے حالات، راہبوں کے طور طریقے

مانستار لفظ مارستان کی طرح ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ اس میں ن مقدم اور ر مؤخر ہے، ان کے یہاں یہ مسلمانوں کے زاویہ کے مشابہ ہے، یہاں یہ مانستارات بکثرت ہیں۔

یہ اصطنبول کے باہر اور الغلطہ کے مقابل واقع ہے، اس میں سے مانستاران بڑے کنیسہ کے باہر اس میں داخلہ کے وقت بائیں جانب پڑتا ہے، یہ دونوں ایک باغ کے اندر ہیں۔ ان میں سے ایک نہر نکل جاتی ہے، ان میں سے ایک تو مردوں کے لیے ہے، اور دوسرا عورتوں کے لئے ان دونوں میں سے ہر ایک میں کنیسہ ہے، اور ان دونوں کے اطراف میں عبادت کرنے والوں اور کرنے والیوں کے لئے حجرے ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اوقاف ہیں جن سے عبادت کنندگان کو پہننے کے لئے کپڑا اور اخراجات ملتے ہیں۔

میں اس رومی شہر کی معیت میں جسے بادشاہ نے میرے ساتھ سوار ہو کر سیر کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ ایک مانستار میں داخل ہوا۔ جس کے درمیان سے نہر نکلتی ہے، اس میں ایک کنیسہ ہے، جس میں پانچ سو باکرہ [۲] رہتی ہیں۔ المسوح پہنے ہوئے ہیں۔ اور ان کے سر گھٹے ہوئے، اور ان پر نمدے کی ٹوپیاں ہیں۔ یہ بڑی خوبصورت تھیں۔ اور ان سے عبادات کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔ منبر پر ایک لڑکا بیٹھا ہوا انہیں ایسی خوش آوازی سے انجیل سنا رہا تھا۔ کہ مجھے ایسی خوش الحانی کا کبھی سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس کے گرد اور آٹھ لڑکے منبروں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کے ساتھ قسیس بھی تھے۔ جب یہ لڑکا پڑھتا تھا، تو دوسرا لڑکا بھی پڑھتا تھا۔ رومی نے مجھ سے کہا کہ یہ بادشاہوں کے لڑکے ہیں، انہوں

---

[۱] پھر پوپ سے کٹ گئی، اور گریک چرچ، ایک مستقل ادارہ بن گیا۔ جس کا پوپ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

[۲] یعنی نن، وہ عورتیں جو جنسی خواہشات کو دبا ڈالتی ہیں۔ اور زندگی بھر شادی نہیں کرتیں۔ لیکن ان راہبوں اور ننوں میں سے کثیر تعداد بڑی رنگین مزاج اور بدکردار ہوتی تھی۔

نے اپنے آپ کو اس کنیسہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے۔ دوسرا کنیسہ اس کنیسہ سے باہر ہے۔ میں اس کے ساتھ ایک کنیسہ میں اور گیا۔ جو ایک باغ میں واقع تھا۔ اس میں تقریباً پانچ سو یا اس سے زیادہ باکرہ تھیں۔ اور ایک لڑکا منبر پر انجیل تلاوت کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ۔ رومی نے مجھ سے کہا یہ وزیروں اور امیروں کی لڑکیاں ہیں۔ اس کنیسہ میں عبادت کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ اور کنیسوں میں بھی گیا، جن میں شہر کے بڑے لوگوں کی باکرہ تھیں دوسرے کنیسوں میں لے گیا۔ ان میں بڑھیا عورتیں تھیں۔ ان کے سوا کنیسوں میں راہب تھے، ایک کنیسہ میں سو شخص رہتے ہیں، اور زیادہ اور کم بھی۔ اس شہر کے اکثر باشندے، راہب۔ عابد اور قسیس ہیں۔ ان کے کنیسوں کی زیادتی کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ باشندگان شہر خواہ لشکری ہوں۔ یا ان کے سوا چھوٹے ہوں یا بڑے اپنے سروں پر بڑی بڑی چھتریاں خواہ جاڑے ہوں یا گرمیاں لگائے رہتے ہیں، اور عورتیں بڑے بڑے عمامے باندھتی ہیں۔

قسطنطنیہ سے واپسی

سلطان المعظم کے حضور میں شرف باریابی اور الوداع

جب خاتون بیلون کے ترک ہمراہیوں نے محسوس کر لیا کہ یہ اپنے باپ کے دین پر ہے[1]، اور اسی کے ساتھ رہنا چاہتی ہے، تو اس سے واپسی کی اجازت مانگی۔ چنانچہ اس نے ان کو اجازت دے دی، اور انہیں کچھ عطا کیا۔ مجھے بلا بھیجا، اور تین سو دینار سونے کے دیئے۔ یہ لوگ انہیں البربیرہ کہتے ہیں۔ ان کا سونا کھرا نہیں ہوتا۔ میں یہاں سوا مہینہ تک ٹھہرا۔

پھر میں شہر الحاج ترخان میں پہونچا۔ جہاں سے ہم سلطان اوزبک سے جدا ہوئے تھے اسے دیکھا کہ وہاں سے کوچ کر چکا، اور اپنے دارالسلطنت میں پہونچ چکا تھا۔ اس لئے ہم نہر اتل میں تین منزل چلے یہ منجمد ہو چکا تھا۔ جب ہمیں پانی کی ضرورت ہوتی تھی۔ تو جمے ہوئے پانی کا ٹکڑا کاٹ کر ہانڈی میں رکھ لیتے تھے، وہ پانی ہو جاتا تھا اسکو پیتے تھے، اور اس سے کھانا پکاتے تھے۔

پھر ہمارا شہر السراء میں ورود ہوا۔ یہ سرا برکتہ کے نام سے مشہور ہے، سلطان اوزبک کا پایہ تخت ہے، ہم سلطان کے پاس گئے، ہمارے سفر کا حال بادشاہ روم اور شہر کے متعلق دریافت کرتا رہا۔ ہم نے اسے امور مستفسرہ بتائے۔ اس نے ہمارے اخراجات کے لئے حکم دیا، اور ہمیں اتارا

---

[1] یعنی عیسائی ہے۔

تاتار اور بخارا کی طرف کوچ

پھر شہر سرا جوق میں وارد ہوا۔ لفظ جوق کے معنی چھوٹے کے ہیں۔ اس لئے اس کا نام سرا الصغیر ہوا۔ یہ ایک بڑی زخار نہر کے کنارے واقع ہے۔ جس کا نام اُو سو ہے۔ اس کے معنی دریائے عظیم کے ہیں۔ اس پر بغداد کے پل کی طرح کشتیوں کا بڑا پل بندھا ہوا ہے۔

اب ہم شہر خوارزم میں داخل ہوئے یہ ترکوں کے بڑے شہروں میں ہے اعظیم ترین۔ جمیل ترین بازار نفیس راستے وسیع اس میں بکثرت آبادی اور خوبیاں ہی خوبیاں اور محاسن ہیں۔ میں ایک دن یہاں سیر کے لئے سوار ہوا تھا۔ اور ایک بازار میں داخل ہوا۔ جب اس کے وسط میں پہنچا۔ تو اس مقام پر انتہائی زحمت میں پڑ گیا جسے الشور کہتے ہیں۔ اس مقام سے کثرت اژدہام کی وجہ سے میں گذر نہ سکا۔ اور واپسی کا ارادہ کر لیا۔ لیکن لوگوں کی کثرت کی وجہ سے یہ بھی ممکن نہ ہو سکا۔ مجھے بے انتہا تحیر ہوا۔ الغرض بہت زائد کوشش کے بعد پلٹا۔ مجھ سے بعض اشخاص نے ذکر کیا کہ اس بازار میں جمعہ کے دن زحمت کم ہوتی ہے۔ کیونکہ بازاروں میں سے گدڑی بازار وغیرہ بند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے میں جمعہ کے دن سوار ہو کر مسجد جامع اور مدرسہ کی طرف روانہ ہوا۔

خوارزم کے باشندوں سے زیادہ میں نے کسی کو خلیق پایا نہ کریم النفس اور نہ پردیسیوں سے محبت کرنے والا۔ نماز کی پابندی کی بڑی اچھی عادت ہے۔ یہ کبھی غیر حاضر نہیں ہوتے۔ بات یہ ہے کہ ان کی مسجدوں کے مؤذنوں کا ہر فرد اپنی مسجد کے آڑوس پڑوس کے گھروں میں اطلاع پہنچاتا ہے، کہ نماز میں آئیں۔ جو نمازی جماعت میں شریک نہیں ہوتا تو اسے امام جماعت مارتا ہے۔ ہر مسجد میں ایک درہ اس کام کے لئے لٹکا ہوتا ہے، اور اس پر پانچ دینار جرمانہ بھی ہوتے ہیں۔ جو مسجد ہی کے لئے صرف کر دیئے جاتے ہیں یا ان سے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلا دیا جاتا ہے، لوگ کہتے ہیں۔ کہ ان کا یہ طریقہ برابر اگلے زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔

خوارزم کے باہر چار نہروں میں سے جو جنت سے آتی ہیں۔ ایک نہر جیحون ہے۔ موسم سرما میں یہ اسی طرح جم جاتی ہے، جس طرح سے نہر اتل۔ اور لوگ اس پر چلتے ہیں۔ اس کے جمے رہنے کا زمانہ پانچ مہینہ ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب اس کے پگھلنے کا زمانہ ہوتا ہے اور اس پر چل نکلتے ہیں۔ تو ہلاک ہو جاتے ہیں۔ گرمیوں کے زمانے میں اس پر ترمذ کی طرف کشتیوں میں سفر کرتے ہیں، اور وہاں سے گیہوں اور جو لاد کر لاتے ہیں۔ بہاؤ پر آنے والے کے واسطے دس دن کی مسافت ہے

خوارزم سے باہر ایک خانقاہ نجم الدین کبریٰ کے مزار پر بنی ہوئی ہے۔ یہ کبار صالحین میں سے تھے۔ اس میں وارد و صادر کو کھانا ملتا ہے، اس کے شیخ مدرس سیف الدین ابن عصفیہ کبار اہل خوارزم میں سے ہیں۔ یہیں شیخ صالح مجاور جلال الدین سمرقندی کی بھی خانقاہ ہے، آپ کبار صالحین میں سے ہیں۔ اسی میں آپ نے ہماری ضیافت بھی کی تھی۔

جہاں کی خاک سے اساطین علم و فن پیدا ہوئے

شہر سے باہر امام علامہ ابی القاسم محمود بن عمر الزمخشری[1] کا مزار ہے، اس پر قبہ بنا ہوا ہے۔ زمخشر خوارزم سے چار میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔

میں بیرون شہر اترا۔ میرے ساتھیوں میں سے ایک صاحب قاضی الصدر ابی حفص عمر الکبری کے پاس گئے۔ آپ نے اپنے نائب نور الاسلام کو میرے پاس بھیجا۔ یہ مجھے سلام کر کے واپس چلے گئے۔ پھر قاضی معہ اپنے ساتھیوں کی جماعت کے میرے پاس آیا اور مجھے سلام کیا۔ یہ گو نوجوان شخص ہے، لیکن بڑے کام کا آدمی ہے، اس کے دو نائب ہیں ایک نور الاسلام ہے اور دوسرا نور الدین کرمانی کبار فقہا میں سے ہیں۔ یہ اپنے احکام میں بہت سخت اور الشر برتر کی ذات میں بہت قوی ہے۔

یہاں قیام کے زمانہ میں جمعہ کی نماز قاضی ابی حفص عمر کے ساتھ آپ ہی کی مسجد میں پڑھتا، تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوتا تھا۔ تو آپ کے ساتھ آپ کے مکان پر جایا کرتا تھا۔ جو مسجد سے قریب ہی ہے، پھر آپ کی معیت میں مجلس میں داخل ہوتا تھا۔ جسے ابدع المجالس کہنا زیبا ہوگا یہاں

---

[1] علامہ زمخشری فن نحو کے امام تھے۔ ان کی کتاب مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے۔

نہایت نادر فرش بچھا ہوتا تھا۔ اور دیواروں پر غلاف چڑھے ہوتے تھے، اس میں بکثرت طاق تھے، ہر طاق میں چاندی کے برتن سونے سے ملمع کار تھے، اور عراقی برتن بھی تھے۔ ان بلاد کے لوگوں کی یہی عادت ہے کہ یہ طاق اپنے گھروں میں بنواتے ہیں، پھر بہت زیادہ کھانا لایا جاتا تھا، یہ نہایت مرفہ حال ہے، مالدار اور صاحب محاصل ہے، اور امیر قطلودمور کے بڑے قرابت داروں میں سے ہے، اس کا نکاح امیر کی سالی کے ساتھ ہوا ہے جس کا جیجا آغا نام ہے،

اس شہر میں واعظین اور ذکر کرنے والوں کی بڑی جماعت ہے، ان میں سب سے بڑے مولانا زین الدین المقدسی اور خطیب مولانا حسام الدین المقدسی مشاطی ہیں۔ آخر الذکر نہایت بلیغ خطیب ہیں، اور ان چار خطیبوں میں سے ایک ہیں۔ جن سے اچھا میں نے دنیا میں کسی کو نہ سنا۔

خوارزم

امیر خوارزم، پتھر کا کوئلہ، خوارزم کے خربوزے

یہ امیر کبیر قطلودمور ہے۔ یہ امیر سلطان معظم محمد اوزبک کی ممانی کا لڑکا اور اس کے اکبر امراء میں سے ہے۔ اس کی طرف سے والی خراسان ہے، اس کا بیٹا ہارون بک اس سلطان کی بیٹی کے ساتھ بیاہا ہے، جو ملکہ طیطغلی کے بطن سے ہے، اور اس کی بیوی خاتون ترابک صاحبہ مکارم شہیرہ ہے، جب قاضی نے آکر مجھے سلام کیا۔ تو مجھ سے کہا کہ امیر کو آپ کے آنے کا علم ہو چکا ہے۔ اب تک چونکہ وہ بستر علالت پر ہے، اس لئے آپ کے پاس نہ آسکا۔ پس میں قاضی کے ساتھ اس سے ملنے کے لئے سوار ہوا اور ہم اس مکان پر پہنچے۔ ایک بڑے دیوان خانہ میں داخل ہوئے۔ جس کے اکثر مکانات لکڑی کے تھے، پھر ایک چھوٹے دیوان خانہ میں داخل ہوئے۔ اس میں لکڑی کا نہایت آراستہ قبہ تھا۔ جس کی دیواروں پر رنگین غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ اور اس میں سنہرے ریشم کی چھت گیری لگی ہوئی تھی۔ اور امیر حریر کے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اپنے پیروں کو نقرس کی وجہ سے ڈھانکے ہوئے تھا۔ اکثر ترکوں میں یہ بیماری پھیلی ہوئی ہے، میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ اور قاضی اور فقہا بیٹھ گئے۔ اس نے مجھ سے شاہ محمد اوزبک کی بادشاہت۔ خاتون بیلون اس کے والد اور شہر قسطنطنیہ کے متعلق دریافت کیا میں نے اسے سارے حالات بتائے۔ پھر خوان لائے گئے۔ کہ جن میں کھانا بھنے ہوئے مرغے۔ کلنگ دو کبوتروں کے انڈے تھے۔ اور روٹیاں روغنی اسے یہ لوگ کلیجا کہتے ہیں۔ اور حلوا بھی تھا۔ پھر اور خوان لائے گئے۔ ان میں پھل پھلاریاں تھیں، دانہ دار انار سونے اور چاندی کے برتنوں میں رکھے تھے۔ اور ان کے ساتھ سونے کے چمچے تھے، اور کچھ عراقی شیشہ کے برتنوں میں تھے۔ ان کے ساتھ لکڑی کے چمچے تھے۔ اور انگور اور نہایت عمدہ خربوزے تھے۔

امیر خوارزم کی داد و دہش :۔ مجھے مالا مال کر دیا ،

میں نے کچھ دنوں جمعہ کی نماز اپنی عادت کی بنا پر قاضی ابی حفص کی مسجد میں پڑھی ۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کو امیر نے پانچ سو درہم دینے کا حکم کیا ہے ، دعوت بھی کی ہے ۔ جس میں مشائخ فقہاء اور اعیان حاضر ہوں گے ۔ جب مجھے یہ حکم دیا تو میں نے کہا اے امیر اگر آپ دعوت کریں گے ، تو جو حاضر ہو گا ۔ ایک لقمہ یا دو لقموں کی شرکت کروں گا ۔ اگر یہ کل مجھے دے دیا جائے تو یہ کام بھی آئے گا ۔ اس پر امیر نے کہا یہی کروں گا ۔ اب آپ کے لئے پورے ہزار کا حکم کر دیا ہے ، پھر امیر شمس الدین السنجری کے ساتھ ایک تھیلی اپنے غلام پر لدوا کر بھجوائی ہے ، مغربی سونے کے حساب سے ان کی قیمت تین سو دینار تھی ۔

میں نے اس دن ایک گھوڑا ادہم رنگ کا پینتیس ۳۵ دینار درا ہم کا مول لیا تھا ۔ اور مسجد جاتے ہوئے اس پر سوار ہوا ۔ انہی ہزار میں سے اس کی قیمت ادا کی ۔ اس کے بعد میرے پاس اتنے گھوڑے ہو گئے کہ جن کی تعداد بتاتے ہوئے مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے ، کہیں کوئی یہ نہ کہے کہ جھوٹا ہے ، اور برابر زیادتی ہوتی ہی گئی ۔ یہاں تک کہ میں سرزمین میں داخل ہوا ۔ گو میرے پاس گھوڑے بہت تھے ۔ لیکن میں اسی گھوڑے کو افضل جانتا تھا ۔ اس کو اختیار کرتا اور اسے تمام گھوڑوں کے آگے باندھتا ۔ یہ گھوڑا میرے پاس تین سال تک رہا ، جب مر گیا تو اس کے مرنے کا مجھے بہت صدمہ ہوا ۔

میرے پاس خاتون جیجی آغا قاضی کی بیوہ نے سو دینار دراہم بھیجے ۔ اور اس کی بہن ترابک امیر کی زوجہ نے میری دعوت کی ۔ فقہاء اور اعیان شہر اس خانقاہ میں جمع ہوئے جسے اس نے بنایا تھا ۔ اور اس میں وارد و صادر کو کھانا ملتا تھا ۔ مجھے ایک سمور کا لبادہ اور ایک اچھا گھوڑا بھی بھیجا ۔ یہ تمام خواتین میں افضل ۔ سب میں اصلح اور اکرم ہے ، اللہ برتر اسے جزائے خیر دے ۔

ایک شریف اور معزز خاتون سے ندامت کا اظہار

جب میں اس دعوت سے جو اس خاتون نے کی تھی فارغ ہوا ۔ اور خانقاہ سے باہر نکلا تو کثیف لباس میں ایک عورت دروازہ پر مجھ سے دوچار ہوئی ، اور اس کے ساتھ

اور عورتیں بھی تھیں۔ جن کی تعداد مجھے یاد نہیں۔ اس نے مجھے سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ اور نہ اس کے پاس ٹھہرا۔ اور نہ التفات کیا۔ جب باہر نکلا تو مجھ سے ایک شخص کہنے لگا۔ وہ عورت جس نے آپ کو سلام کیا تھا۔ خاتون تھی۔ مجھے بڑی شرم آئی۔ اور واپس جانے کا ارادہ کیا۔ دیکھا تو وہ جا چکی تھی۔ میں نے خادم کے ذریعے سلام کہلا بھیجا، اور معذرت کی کہ مجھ سے جو کچھ خلاف سرزد ہوا ہے، نادانستگی سے ہوا ہے۔

خوارزم کے بے انتہا شیریں اور لذیذ خربوزے

خوارزم کے خربوزے بلاد دنیا، میں مشرق سے لے کر مغرب تک بے نظیر ہیں۔ ہاں بخاری خربوزہ ضرور ٹکر کا ہے۔ اور اصفہان کا خربوزہ اس کے قریب ہوتا ہے، اس کا چھلکا بہت سبز ہوتا ہے، لیکن اندر سے بہت سرخ نکلتا ہے، اور مٹھاس بہت زبردست ہوتی ہے، اس میں کچھ سختی بھی ہوتی ہے۔ عجائبات میں سے یہ ہے کہ اس کی پھانکیں کر کے دھوپ میں خشک کر کے رکھ لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے یہاں گوشت اور انجیر کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور خوارزم سے بلاد ہند و چین تک لے جاتے ہیں۔ تمام خشک پھلوں میں اس سے بہتر کوئی میوہ نہیں ہوتا۔ جب میں بلاد ہند میں سے دہلی میں اقامت پذیر تھا۔ کوئی مسافر آتا تو میں اس کے پاس کسی شخص کو بھیجتا کہ میرے لئے خربوزہ کی پھانکیں لائے۔ جب بادشاہ ہند کے پاس اس میں سے کچھ آتا۔ تو میرے پاس ضرور بھیجتا۔ کیونکہ اسے علم تھا کہ مجھے یہ بہت مرغوب ہیں۔ اس کی عادت تھی کہ پردیسیوں کو ان کے ملک کے فواکہات بھیجا کرتا۔ اور اسی سے ان کا تفقد حال کرتا۔

خوارزم سے ہم شہر الکات میں وارد ہوئے۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ ہم اس کے بیرونی جانب پانی کے ایک حوض پر اترے۔ جس کا پانی سردی سے جم چکا تھا۔ لڑکے اس پر کھیل رہے تھے، اور پھسلتے تھے۔

شہر بخارا[1]
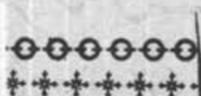
وبکنہ کے لئے روانہ ہوئے تو شبانہ روز، تواتر اور تسلسل کے ساتھ باغوں، نہروں، اور سایہ دار ولوں پر بہار درختوں میں سے ہوتے ہوئے چلتے رہے۔

پھر ہم شہر وبکنہ میں آئے، یہ مشتمل بر انہار و باغات ہے، یہ انگوروں کا ایک سال سے دوسرے سال تک ذخیرہ رکھتے ہیں۔

پھر اس شہر بخارا میں پہنچے۔ جس کی طرف امام المحدثین ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری منسوب ہیں۔ یہ شہر ورا، نہر جیحون جو بلاد ہیں۔ ان کا پایہ تخت تھا۔ لیکن چنگیز نے جو ملوک عراق کا جد ہے اسے ویران کر دیا۔ اس کی مسجدیں، مدرسے اور بازار اب تک ویران ہیں۔ یہاں کے باشندے ذلیل ہیں۔ ان کی شہادت خوارزم وغیرہ میں قبول نہیں کی جاتی۔ کیونکہ تعصب، دعویٰ باطل انکار حق میں شہرت رکھتے ہیں، لوگوں میں ایسا یہاں کوئی نہیں ہے، جو علم کی کچھ تعلیم دے، اور نہ یہاں پر کسی شخص کی اس کی طرف توجہ ہے۔

---

[1] یہ اپنے وقت کا مرکز علم تھا۔ یہاں کی خاک سے بڑے بڑے علما، محدث، مفسر، اور متکلم پیدا ہوئے، جن کا سکہ آج تک چل رہا ہے، یہ شہر اپنی خوبی، رعنائی اور کمالات گوناگوں کے اعتبار سے مشہور آفاق تھا، لیکن تاتاریوں کے ہاتھوں یہ بھی برباد ہو کر مٹی کا ڈھیر بن گیا۔ اور پھر مسلسل بربادی کا شکار رہا۔

اب یہ روس کے قبضہ میں ہے، اور وہ اس سرزمین مقدس کے آثار باقیہ اسلامیہ کھرچنے میں معروف ہے ——— فاعتبروا یا اولی الابصار،

(رئیس احمد جعفری)

فتنہ تاتار

چنگیز خاں کی خوں آشامیاں

بخارا کی اینٹ سے اینٹ کس طرح بجائی گئی

تنگیز خان (چنگیز خان) سرزمین خطا[1] میں لوہار تھا۔ کریم النفس، طاقتور، تنومند۔ اس نے بہت جلد لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا اور ایک جماعت بنا کر سردار بن گیا۔ پہلے تو اپنے وطن کے سرداروں کو زیر کر کے عنان حکومت ہاتھ میں لی پھر اتنی ترقی کی کہ ملک خطا پر غالب ہو گیا۔ پھر ملک چین پر۔ اس کے لشکر بہت بڑھ گئے۔ اور بلاد ختن کاشغر اور مالق پر تصرف جمالیا۔ چونکہ جلال الدین سنجر بن خوارزم شاہ ملک خوارزم خراسان اور ماوراء النہر کی بڑی زبردست قوت و شوکت تھی۔ اس لئے تنگیز اس سے تو خوف زدہ اور دور رہا اور کوئی تعرض نہ کیا۔

ایسا اتفاق ہوا کہ تنگیز نے تاجروں کو چین اور خطا کا مال ریشمی کپڑے وغیرہ کی قسم سے دے کر شہر اطرار جو جلال[2] الدین کی عملداری کا منتہا ہے بھیجا۔ وہاں کے عامل نے جلال الدین کے پاس اس امر کی

---

[1] تاتاری چین کا ایک شہر۔

[2] ابن بطوطہ سے یہاں چوک ہوئی ہے۔ یہ جلال الدین خوارزم شاہ نہیں، بلکہ اس کے باپ کا ذکر ہے، جہاں تک جلال الدین خوارزم شاہ کا ذکر ہے، وہ آخری وقت تک مغلوب نہیں ہوا، اور برابر جنگ گریزپا (گوریلا جنگ) کر کے چنگیز خاں کی قوت و شوکت اور ہیبت صولت کو چیلنج کرتا، اور اس کا مذاق اڑاتا رہا۔ آخر میں جب دریائے سندھ کے کنارے چنگیز خاں کے لشکر گراں نے اسے ہر طرح سے گھیر لیا، مع گھوڑے کے دریائے سندھ میں کود گیا، اور تیرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ اور چنگیز جیسا با جبروت شخص انگشت بدنداں، منہ دیکھتا رہ گیا۔ اس نے بڑی حسرت کے ساتھ اپنے ولی عہد سے کہا، ——"کاش ہر طرح ایسا بچہ جنتیں"

(باقی اگلے صفحہ پر)

اطلاع کی اور اجازت مانگی کہ ان کے متعلق کیا کاروائی عمل میں لائی جائے۔ اس نے عامل مذکور کو یہ حکم لکھ بھیجا کہ ان کا مال ضبط کر لیا جائے، اور انہیں مثلہ اور اعضا بریدہ کر کے ان کے بلاد کو واپس کر دیا جائے چونکہ اللہ برتر کی یہی مرضی تھی۔ اس لئے باشندگان بلاد مشرق کی شقاوت روئے بد اور سوئے تدبیر اور شومی سے یہ فعل عمل میں آیا۔

جب اس سے یہ امر سرزد ہوا، تو تنگیز بنفس نفیس لشکر ہائے کثیرہ لا تعداد کی سرکردگی میں بلاد اسلام پر حملہ کرنے کے لئے آ پہنچا۔ جب اطرار کے عامل نے اس حملہ آوری کی خبر سنی تو جاسوسوں کو اس کی خبر لینے کے لئے بھیجا۔ اس سے بیان کیا گیا کہ ان میں سے تنگیز کے کسی امیر کے لشکر میں سائل کی صورت میں داخل ہوا تھا۔ وہاں کسی کو ایسا نہ پایا جو اسے کھانا کھلاتا۔ اور ان میں سے ایک شخص کے پاس جو اترا تو اس کے پاس کوئی زاد راہ نہ دیکھا۔ اور نہ اس نے اسے کچھ کھلایا۔ جب شام ہوئی تو اس شخص نے ایک سوکھی ہوئی آنت جو اس کے پاس تھی نکالی، اسے پانی میں تر کیا۔ اور اپنے گھوڑے کی فصد لگا کر اس کے خون سے اسے بھرا۔ باندھا اور اسے آگ میں بھونا۔ وہ اس کی غذا ہوئی۔ پھر یہ اطرار واپس آگیا۔ اور عامل کو اس کے حال سے آگاہ کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ ہمارے کسی فرد میں ان سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ تو اس نے اپنے بادشاہ جلال الدین سے مدد مانگی۔ اس نے ساٹھ ہزار کا جو اس کے پاس لشکر تھا، اس پر اور بطور مدد اضافہ کیا۔ جب میدان کارزار گرم ہوا تو تنگیز نے ان کو بھگا دیا۔ اور شمشیر بدست اطرار میں داخل ہوا وہاں کے مردوں کو قتل کیا، اور ذریات کو قید۔ پھر جلال الدین بنفس نفیس اس سے لڑنے آیا ان میں ایسی لڑائیاں ہوئیں جن کی اسلام میں نظیر نہیں ملتی۔ انجام کار یہ ہوا کہ تنگیز ماوراء النہر کا بادشاہ ہو گیا۔ اور بخارا۔ سمرقند۔ اور ترمذ[۱] کو ویران کر دیا۔ اور نہر کو عبور کر کے جو نہر جیحون ہے، شہر بلخ پہنچا۔ اور اس پر بھی متصرف ہو گیا۔ پھر بامیاں (یا میان) آیا۔ اور اسے بھی تصرف میں لے لیا۔ پھر بلاد خراسان اور عراق عجم میں غلو کیا۔ پھر بلخ اور ماوراء النہر کے مسلمانوں نے اس پر یورش کی، لیکن اس نے سب کو پسپا کر دیا۔ اور بلخ میں بھی شمشیر بدست داخل ہوا، اور تمام بلخ کو مٹی کا ڈھیر کر دیا۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ) کام چنگیز کی زبان سے یہ اتنا بڑا خراج تحسین تھا۔ جو جلال الدین خوارزم شاہ کے علاوہ کسی کو نہیں حاصل ہوا۔

[۱] جہاں کے امام ترمذی ہیں۔ جن کی ترمذی صحاح ستہ میں داخل ہے۔

ترمذ کی بربادی چنگیز کے ہاتھوں

اور ایسا ہی ترمذ میں بھی کیا۔ وہ ایسا ویران ہوا کہ اب تک آبادی کی نوبت نہ آئی۔ لیکن اس سے دو میل کے فاصلہ پر ایک اور شہر بنایا گیا جسے اس زمانہ میں ترمذ کہتے ہیں۔ باشندگان بیامیاں بھی قتل کیا اور تمام شہر کو ڈھا دیا۔ صرف جامع مسجد کے مینار باقی رہ گئے اور اہل بخارا اور سمرقند کو معاف کر دیا۔ پھر اس کے بعد عراق کی طرف واپس آیا۔ معاملہ کی انتہا یہ ہے کہ یہ خصرۃ الاسلام اور دار الخلافت بغداد میں شمشیر بدست داخل ہوئے، اور خلیفہ المستعصم باللہ عباسی رحمۃ اللہ کو ذبح کر دیا۔

ابن جزی فرماتے ہیں ہم سے ہمارے شیخ قاضی القضاۃ۔ ابو البرکات ابن الحاج فرماتے تھے، کہ میں نے خطیب ابا عبد اللہ بن رشید سے سنا ہے، یہ کہتے تھے کہ میں نور الدین بن الزجاج سے جو کہ علماء عراق میں سے ہیں، مکہ میں ملا تھا۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے بھی تھے۔ ان سے خوب باتیں ہوئیں۔ آپ مجھ سے فرمانے لگے کہ تاتار کے فتنہ میں جو عراق میں واقع ہوا تھا۔ اہل علم میں سے جو بیس ہزار آدمی تھے، ان میں سوا میرے اور اپنے بھتیجے کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے اس کے اور کوئی نہیں بچا

ہم شہر بخارا میں سے ایک سرائے میں جو فتح آباد کے نام سے مشہور ہے اترے اس میں شیخ العالم العابد الزاہد سیف الدین باخرزی قدس سرہ کا مزار ہے، آپ کبار اولیاء میں سے ہیں، اور خانقاہ انہیں شیخ کی طرف منسوب ہے، بڑی خانقاہ اور اس کے لئے اوقاف بھی بہت بڑے ہیں اس میں ہر وارد و صادر کو کھانا دیا جاتا ہے، اس کا شیخ آپ ہی کی ذریات میں سے ہے، اس کا نام حاجی سیاح۔ یحییٰ باخرزی ہے، اس شیخ نے اپنے گھر میں میری ضیافت کی تھی، اور تمام شہر کے اعیان کو جمع کیا تھا۔ قراء نے نہایت خوش آوازی سے قرآن پڑھا۔ واعظ نے وعظ کہا۔ اور زبان ترکی اور فارسی میں نہایت اچھی طرح گانا گایا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پرانوار

یہاں الفقیہ العالم فاضل صدر الشریعۃ سے بھی ملاقات ہوئی۔ آپ ہرات سے تشریف لائے تھے، صلحائے فضلا میں سے ہیں۔ اور بخارا میں امام العالم ابی عبد اللہؒ بخاری مصنف جامع صحیح شیخ المسلمین کے مزار مبارک کی زیارت سے مستفیض ہوا۔ اس پر یہ عبارت تحریر ہے،

ھذا قبر محمد بن اسماعیل البخاری قد صنف من الکتاب (یہ محمد بن اسماعیل البخاری کا مزار مبارک ہے) جو کتاب ہائے ہذا کے مصنف ہیں اسی طرح تمام تمام علمائے بخارا کے مزارات پر ان کے نام اور ان کی تصانیف کے نام لکھے ہوئے ہیں، ان میں سے میں نے بہت سے نام یادداشت میں لکھ لئے تھے، جب کفار ہند نے ہمارا سمندر میں مال و اسباب لوٹا تو اس کے ساتھ یہ فہرست بھی ضائع ہو گئی۔

شہر نخشب میں آمد، میری جاریہ ایک بچی کی ماں بن گئی

شہر نخشب[1] میں ورود ہوا۔ یہ وہ شہر ہے، جس کی طرف شیخ ابو تراب النخشبی منسوب ہیں چھوٹا شہر چاروں طرف باغات اور پانی سے گھرا ہوا ہے، ہم اس کے باہر ایک مکان میں اترے جو یہاں کے امیر کا ہے، میری ایک جاریہ تھی۔ جس کے وضع حمل کا زمانہ قریب تھا۔ میں اسے سمرقند لے جانا چاہتا تھا۔ تاکہ وہیں وضع حمل ہو، ایسا اتفاق ہوا کہ وہ محمل ہی میں تھی کہ محمل اونٹ پر رکھ دیا گیا، اور ہمارے کچھ ساتھی رات ہی کو چل دیئے۔ وہ اور زاد راہ وغیرہ میرے اسباب سے انہیں کے ساتھ تھا، میں اس لئے ٹھہر رہا کہ دن کو اپنی معیت والوں کے ساتھ روانہ ہوں، وہ تو ایک راستہ سے گئے، اور میں اس کے ماسوا دوسرے راستہ سے گیا۔ ہم شام کے وقت لشکر سلطان مذکور میں پہونچے وہاں ہمیں بھوک معلوم ہوئی تو بازار سے فاصلہ پہ اترے، ہمارے بعض ساتھیوں نے کچھ خریدا اور بعض تاجروں نے ہمیں خیمے عاریۃً دے دیئے۔ الغرض ہم شب کو وہیں شب باش ہوئے، دوسرے دن ہمارے ساتھی اونٹوں اور باقی ساتھیوں کی تلاش میں نکلے انہیں شام کے وقت پایا۔ لے کر آئے، سلطان لشکر سے شکار کے لئے گیا ہوا تھا۔ میں اس کے نائب امیر تقبغا سے ملا، اس نے مجھے اپنی مسجد کے قریب اتارا۔ اور مجھے ایک خرقہ (خرگاہ) عطا کیا، یہ خیمے کے مشابہ ہوتا ہے، میں نے جاریہ مذکورہ کو اس خرگاہ میں اتارا، اسی شب کو اس کے وضع حمل ہوا، مجھے خبر دی گئی، کہ اولاد نرینہ ہے، لیکن ایسا نہ تھا کیونکہ عقیقہ کے بعد میرے ساتھیوں میں سے مجھ سے کسی نے کہا کہ نو زائیدہ لڑکی ہے، پھر میں نے تمام جواری کو جمع کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ طالع سعد میں لڑکی ہی پیدا ہوئی ہے، میں نے یہ دیکھا کہ جب سے وہ پیدا ہوئی ہے،

---

[1] چاہ نخشب اردو زبان میں عامۃ الورود ہے

تمام چیزوں سے مجھے خوشی ہوتی ہے، اور موافق مرضی ہوتے ہیں، دو ماہ بعد وہ لڑکی فوت ہو گئی میں شہر میں شیخ فقیہ العابد مولانا حسام الدین الیاغی سے ملا۔ یہ باشندگان اطرار میں سے ہیں، اور شیخ الحسن سلطان کے داماد سے بھی ملاقات کی،

سلطان طرمشیری کا تذکرہ، ایک فقیہ اور واعظ سے گفتگو

کہتے ہیں کہ ملک کبک نے ایک دن فقیہ واعظ بدرالدین المیدانی سے گفتگو میں یہ کہا۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ برتر نے اپنی کتاب میں تمام چیزوں کا ذکر کیا ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔ عرض کرنے لگا۔ پھر اس میں میرا ذکر کہاں ہے، آپ نے فرمایا اللہ برتر کے اس قول میں، ر فی ای "فی ای صورۃ ما شاء رکبک" (سورۃ ۸۲، آیۃ ۸) آپ کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ آپ کا بہت زیادہ اکرام کیا، اور مسلمانوں کی بہت تعظیم کرنے لگا۔

جب میں محلہ یا لشکر میں کئی دن رہا۔ جسے یہ لوگ اردو کہتے ہیں، ایک دن اپنی عادت کے موافق صبح کی نماز کے لئے مسجد گیا۔ جب نماز پڑھ چکا تو مجھ سے کسی شخص نے ذکر کیا کہ سلطان مسجد میں ہے، جب وہ اپنے مصلے پر سے اٹھا تو میں سلام کے لئے آگے بڑھا۔ شیخ حسن اور فقیہ حسام الدین الیاغی کھڑے ہو گئے، اور ان دونوں شخصوں نے میرا حال اور میرے آنے کے متعلق عرض کیا کہ چند دن سے آیا ہوا ہے، اس نے مجھ سے ترکی زبان میں کہا، "خُش میسن یخشی میسن قطلوالیوسن"۔ خُش میسن کے معنی ہیں، آپ بخیریت ہیں، اور یخشی میسن کے معنی ہیں، آپ تندرست ہیں، اور قطلوالیوسن کے معنی ہیں، آپ کے قدوم مبارک۔

بادشاہ کے دربار میں حاضری اور اس سے سلام و کلام

یہ اس وقت قدسی سبز قبا پہنے ہوئے تھا۔ ویسا ہی سر پر حاشیہ بھی تھی۔ پھر وہ اپنے دربار میں پیادہ پا جانے لگا۔ لوگ اس کے سامنے شکایتیں کرنے آجاتے تھے، ہر شکایت کرنے والے کے لئے وہ ٹھہر جاتا ہے شکایت کنندگان میں چھوٹے بھی تھے، بڑے بھی۔ ذکور بھی اور اناث بھی پھر مجھے بلا بھیجا۔ میں اس کے پاس گیا۔ وہ ایک خرگاہ میں تھا: اور لوگ اس خرگاہ کے دائیں اور بائیں باہر کی طرف تھے۔ ان میں امرا کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کے ساتھی ان کے سروں پر پیچھے اور سامنے کھڑے تھے، اور تمام لشکر صف بستہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور ان میں سے ہر ایک کے سامنے

ہتھیار رکھے ہوئے تھے، پھر ان کی ڈیوٹی دوسروں نے آکر بدلائی، اور وہ آخر رات تک رہے یہاں روئی کے کپڑے کی چھتیں بنی ہوئی تھیں، یا سائبان تھے۔ جن میں یہ لوگ رہا کرتے تھے۔

جب میں بادشاہ کے پاس خرگاہ میں داخل ہوا تو اسے کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ جو منبر کے مشابہ تھی، اور اس پر زرکار ریشم کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔ خرگاہ کے اندرونی جانب ریشم کا زرکار کپڑا لگا ہوا، تھا۔ اور ایک جواہرات اور یاقوتوں سے مرصع تاج سلطان کے سر پر لٹکا ہوا تھا۔ اس کے اور سلطان کے سر کے مابین تقریباً ایک گز کا فاصلہ تھا۔ اور امرائے کبار اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے تھے اور شاہزادگان ان کے سامنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے، خرگاہ کے دروازہ کے پاس نائب وزیر حاجب اور صاحب نشان تھے، جنہیں یہ آل طمتی کہتے ہیں۔

ماوراء النہر کا سفر

ایک عالمِ دین اور شاہ ذی جاہ میں ٹکر

شاہ طرمشیرین کے عجیب و غریب حالات

طرمشیرین نے ایک مرتبہ اپنا سجادہ اپنی جگہ بچھوا دیا، اور امام حسام الدین سے کہلا بھیجا کہ نماز میں اس کا انتظار کریں، امام نے جواب دیا۔

"نماز خدا کے لئے ہے یا طرمشیرین کے لئے؟"

"پھر مؤذن کو حکم دیا کہ تکبیر کہو، اور امامت شروع کر دی۔ سلطان جب آیا تو دو رکعتیں ختم ہو چکی تھیں۔ چنانچہ دو آخری رکعتیں اس نے تنہا پڑھیں۔ جگہ وہاں ملی جہاں نمازیوں کی جوتیاں رکھی تھیں، فوت شدہ رکعتیں پڑھ کر امام صاحب کی طرف مصافحہ کے لئے بڑھا، اور محراب کے سامنے بیٹھ گیا۔ امام اس کے پہلو میں اور میں امام کے پہلو میں، سلطان نے مجھ سے کہا جب اپنے بلاد میں جانا تو کہنا کہ اعاجم فقراء میں سے ایک فقیر نے سلطان ترک کے ساتھ یہ کیا ہے"!

سلطان کا میرے ساتھ حسن سلوک، سلطان کا عبرت انگیز قتل

جب میں نے سفر کا ارادہ کیا تو اس نے مجھے سات سو دینار دراہم اور ایک سمور کا لبادہ جس کی قیمت سو دینار ہو سکتی ہے، دیئے میں نے اس سے یہ سردی کی وجہ سے مانگ لیا تھا، جب اس کے لئے میں نے اس سے کہا تو اس نے میری آستینیں اپنے ہاتھ میں پکڑ کر انہیں تو ضعاً فضلاً اور حسن خلق کی وجہ سے چومنا شروع کیا۔

سرزمینِ ہند میں میرے پہونچنے کے دو سال بعد مجھے یہ خبر موصول ہوئی کہ بہت سے امراء

اس کے انتہائی بلاد میں جمع ہوئے، جو چین کے پاس ہیں، یہاں اس کا لشکر کثیر جمع ہوا، اور اس کے چچازاد بھائی سے جس کا نام بوزن اغلی تھا، بیعت کی۔ نیز جو شاہزادے تھے، انہوں نے بھی اسے یہ لوگ اغلی کہا کرتے تھے، گو یہ مسلمان تھا، لیکن اس کے اعتقادات شرعی اور سیرت بری تھی۔ ان کے بیعت کرنے اور طرمشیرین سے خلع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ طرمشیرین نے اپنے اس چنگیز لعین کے احکام کی مخالفت کی تھی، جس نے بلاد اسلام کو ویران کیا تھا جس کا ذکر پہلے گذر چکا۔ تنگیز نے اپنے احکام کی ایک کتاب بھی تالیف کی تھی، جسے یہ الیساق کہتے ہیں، ان کے یہاں جو اس کتاب کی خلاف ورزی کرتا ہے، اس کا خلع واجب تھا۔ ان کے احکام میں یہ بھی تھا کہ سال میں ایک مرتبہ ان کا میلہ ہوتا تھا۔ جسے الطوی کہتے تھے، اس کے معنی یوم الضیافتہ کے ہیں، اولاد تنگیز اور امراء اطراف بلاد سے آتے تھے، اور خواتین اور سرداران افواج حاضر ہوتے تھے، اگر سلطان نے ان احکام کی خلاف ورزی کی ہوتی، تو ان میں سے بڑے بڑے کھڑے ہو کر اس سے کہتے تھے کہ آپ نے فلاں فلاں کام کی خلاف ورزی کی ہے، اس لئے آپ کی حکومت سے دست برداری واجب ہے، اس کا ہاتھ پکڑ کر تخت شاہی سے اتار دیتے تھے، اور اولاد تنگیز میں سے کسی اور کو بٹھا دیتے تھے۔ اور اگر امرائے کبار میں سے اس کے بلاد میں کسی سے کوئی خطا سرزد ہوتی تھی، تو اسے جس سزا کا وہ مستحق ہوتا تھا دیتے تھے۔

سلطان طرمشیرین نے اس میلہ کی رسم کو مٹایا تھا۔ اس فعل کی سب نے بڑی سخت مخالفت کی، اس امیر کو اسلام اور مسلمانوں سے بڑی محبت تھی، اپنی عملداری میں اس نے تقریباً چالیس زاویئے بنوائے تھے، جن میں وارد و صادر کو کھانا ملتا تھا۔ اور اس کے ماتحت بڑی فوجیں تھیں۔ میں نے کسی آدمی کو اس سے زیادہ قوی تن نہیں دیکھا۔

جب اس نے نہر جیحون کو عبور اور بلخ کا راستہ اختیار کیا تو اسے ترکوں میں سے کسی ترک نے دیکھا جو ینقی اس کے بھتیجے کبک کے ساتھیوں میں سے تھا۔ سلطان طرمشیرین نے اپنے بھائی کبک کو قتل کر دیا، بلخ میں صرف اس کا بیٹا ینقی باقی یا پسماندہ تھا۔ جب اس ترک نے اس کی خبر دی۔ تو کہا کہ غالباً اس پر کوئی حادثہ ہوا ہے، یہی بھاگنے کا سبب ہے، بس بھیس بدل کیا تھا۔ اپنے ساتھیوں کی معیت میں سوار ہو گیا اسے جا گرفتار کیا۔ اور قید کر دیا۔

جب بوزن سمرقند اور بخارا کی طرف آیا۔ تو لوگوں نے اسکی بیعت کی اور ینقی بھی طرمشیرین کو لے کر آیا

ل سیاست

کہتے ہیں کہ جب یہ سمرقند کے باہر نسف میں پہونچا تو۔ وہیں قتل کر کے پیوند خاک کیا گیا۔ اس کی قبر کی خدمت شیخ شمس الدین گردن بریدہ نے اختیار کی۔ گردن بریدہ اس لئے کہتے ہیں کہ گردن پر ایک ضرب کا نشان تھا۔

شہنشاہ ہند کا مظلوم بادشاہ، طرمشیر کے خاندان سے حسن سلوک

جب بوزن بادشاہ ہوا۔ تو طرمشیرین کا بیٹا یعنی سائے اغل داغلی اس کی بہن اور اس کی بیوی فیروز شاہ[1] ملک ہند کے پاس بھاگ آئے۔ ان کی اس نے بڑی عظمت کی، اور ان کو نہایت شان کے ساتھ اتارا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے اور طرمشیرین کے مابین محبت۔ رسل و رسائل اور ہدیوں تحفوں کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ اسے بھائی کے لفظ سے مخاطب کیا کرتا تھا۔ پھر اس کے بعد ایک شخص سرزمین ہند سے آیا کہتا تھا کہ میں طرمشیرین ہوں۔ لوگوں میں اس پر اختلاف پیدا ہوا۔ اسے عماد الملک سرتیز ملک ہند کے غلام اور والی بلاد ہند نے سنا۔ اسے ملک عرض کہتے تھے، یہ وہ شخص تھا جو لشکر ہائے ہند کا جائزہ بھی لیا کرتا تھا۔ اس جگہ کی حکومت اسی کے سپرد تھی۔ اور ملتان سندھ کے دارالحکومت میں رہا کرتا تھا، اس کے پاس چند ترکوں کو بھیجا جو اسے پہچانتے تھے، یہ واپس آئے اور اسے خبر دی کہ درحقیقت یہ طرمشیرین ہی ہے اس نے حکم کیا کہ اس کے لئے شہر کے باہر سراچہ قائم کیا جائے، چنانچہ نصب کیا گیا۔ اور اس کے لئے وہی ترتیب دیا گیا۔ جو ایسے لوگوں کے لئے ترتیب دیا جاتا ہے، اس کے استقبال کے لئے نکلا، اور پاپیادہ ہوا۔ اور اسے سلام کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سراچہ تک آیا۔ یہ بادشاہوں کی رسم کے مطابق سوار ہی داخل ہوا۔ اور اس کے طرمشیرین ہونے میں کسی کو شک نہ رہا۔ ملک ہند کو اس کی خبر پہنچی۔ اس نے اس کے پاس امرا ضیافتوں کے ساتھ استقبال کے لئے بھیجے۔

---

[1] فیروز شاہ تغلق

سمرقند میں آمد

پھر شہر سمرقند میں وارد ہوا یہ شہر دنیا کے بڑے عمدہ حسین وجمیل شہروں میں ہے، ایک وادی کے کنارے واقع ہے، جسے وادی القصارین کہتے ہیں۔ اس پر آب کشی کے چرخ لگے ہوئے۔ جن باغات میں آب رسانی ہوتی ہے اس کے کنارے اہل بلد نماز عصر کے بعد سیر و تفریح کے لئے جمع ہوتے ہیں، ان کے لئے اس پر چبوترے اور نشستیں ہیں، اور دوکانیں ہیں۔ جن سے پھل اور تمام کھانے کی چیزیں خریدتے ہیں، اس کے کنارے بہت بڑے بڑے محل اور عمارتیں ہیں۔ جن سے وہاں کے لوگوں کے علوئے ہمت اور برتری کا پتہ چلتا ہے، عمارتیں اکثر ویران ہو گئی ہیں۔ اور اسی طرح شہر کا بھی بہت سا حصہ ویران ہو گیا ہے، نہ اس کی کوئی شہر پناہ ہے، اور نہ دروازے اور اندرون میں باغات ہیں۔ اہل سمرقند بہت با اخلاق اور پردیسیوں سے محبت کرنے والے۔ اور بخارا کے باشندوں سے اچھے ہیں۔

حضرت قثم ابن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک

سمرقند کے بیرون میں قثم ابن العباس بن عبد المطلب عنہ کا مزار ہے جب آپ نے اسے

۱؎ یہ شہر بھی مسلمانوں کے متمدن شہروں میں تھا۔ مرکز علوم و فنون تھا۔ لیکن چنگیز کی دست برد سے یہ بھی نہ بچا، اور پھر کبھی عظمت رفتہ نہ حاصل کر سکا۔

اب یہ شہر روس کے قبضہ میں ہے۔

فتح کیا تو یہیں شہید ہوئے تھے، باشندگان سمرقند ہر شب دوشنبہ اور جمعہ کو آپ کی زیارت کے لئے نکلتے ہیں۔ اور تاتاری بھی آپ کی زیارت کے لئے آتے، اور آپ کے مزار پر بڑے بڑے چڑھاوے چڑھاتے اور نذریں مانتے ہیں، گائے، بھیڑ دراہم۔ دنانیر لاتے ہیں۔ یہ سب وارد وصادر اور خانقاہ کے خادموں پر صرف کیا جاتا ہے، مزار مبارک پر ایک قبہ چار ستونوں پر قائم ہے، ہر پائے کے ساتھ دو ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ جن میں سونے سے منبت کاری کی ہوئی ہے، اور چھت سیسہ کی بنائی گئی ہے، اور مزار پر آبنوس کا مرصع کار ایک کٹھڑا بنا ہوا ہے، جس کے پاؤں پر چاندی منڈھی ہوئی ہے، اور اس کے اوپر چاندی کی تین قندیلیں لٹکی ہیں۔ قبہ کا فرش اون اور روئی کا ہے، اس کے باہر ایک بہت بڑی نہر ہے، جو خانقاہ کے اس حصہ سے ہوتی ہوئی گذر گئی ہے، جو وہاں واقع ہے، اس کے کنارے درخت انگور اور چمیلی کی بیلیں ہیں، خانقاہ میں بہت سی سکونت گاہیں ہیں، جن میں وارد وصادر قیام کرتے ہیں، اپنے کفر میں تاتاریوں نے اس میں کوئی تغیر نہیں کیا، بلکہ اس سے برکت حاصل کرتے تھے، کیونکہ انہوں نے بہت سی کرامتیں دیکھی تھیں۔

شہر نسف میں ورود

اب ہمارا گذر شہر نسف میں ہوا۔ جس کی طرف ابو حفص عمر النسفی منسوب[1] ہیں۔ یہ فقہائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے مابین مختلف فیہ مسائل کو نسظم بھی کر چکے ہیں۔

---

[1] "شرح عقائد نسفی" اصول فقہ کی مانی ہوئی کتاب ہے، اور مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے،

جہاں امام ابو عیسیٰ ترمذی نے آنکھیں کھولیں

پھر ہمارا شہر ترمذ میں ورود ہوا۔ یہ وہ شہر ہے، جس کی طرف امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی مؤلف جامع الکبیر فی السنن منسوب ہیں۔ یہ ایک بڑا شہر اچھی آبادی والا ہے، اس کے بازاروں کو نہریں پھاڑتی ہوئی نکل گئی ہیں۔ اس میں بکثرت باغات ہیں، اور انگور اور بہی بکثرت پیدا ہوتی ہے، جس میں بے انتہا خوشبو اور گودا بکثرت ہوتا ہے، اسی طرح یہاں دودھ کی بہت افراط ہے، یہاں کے لوگ حمام میں بجائے کھلی کے دودھ سے سر دھوتے ہیں۔ ہر حمام والے کے پاس ایک بڑا برتن دودھ سے بھرا ہوا ہوتا ہے جب کوئی شخص حمام میں آتا ہے، تو اس میں سے ایک چھوٹے برتن میں لے کر اس کا سر دھوتا ہے، یہ بالوں کو نرم اور چمکیلا کر دیتا ہے، باشندگان شہر اپنے سروں میں تلی کا تیل لگاتے ہیں۔ اور اسے الیسراج کہتے ہیں، پھر اس کے بعد بالوں کو کھلی سے دھوتے ہیں۔ اس سے جلد نرم ہو جاتی ہے، اور بال چمکدار ہوتے اور بڑھتے بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باشندگان ترمذ اور ان کے ساتھ رہنے والوں کی داڑھیاں لمبی ہوتی ہیں۔

لہ یہ شہر بھی چنگیز کی خوں آشامیوں سے نہ بچ سکا۔

خراسان کی طرف

روسی، ترکستان کا مشاہدہ و نظارہ

قدیم شہر ترمذ دریائے جیحون کے کنارے آباد تھا۔ چنگیز نے اسے ویران کر دیا تو نہر سے دو میل کے فاصلہ پر اس نئے شہر کی بنا ڈالی گئی۔ یہاں میں شیخ صالح عزیزان کی خانقاہ میں اترا تھا۔ آپ کبار مشائخ میں سے بہت دولت مند اور صاحب اراضی و باغات ہیں، اور اپنے مال میں سے وارد و صادر پر صرف کرتے ہیں۔ اس شہر میں پہونچنے سے پہلے یہاں کے والی علاء الملک خداوند زادہ سے مل چکا تھا۔ اور اسی خانقاہ میں میری ضیافت کے لئے موصوف نے دعوت نامہ بھی بھیجا تھا۔ ہمارے یہاں قیام کے زمانہ میں روزانہ ہمارے لئے ضیافت آتی تھی۔ میں یہاں کے قاضی قیام الدین سے بھی ملا۔ اس وقت وہ سلطان طرمشیریں سے ملنے اور اس سے بلاد ہند کی طرف سفر کرنے کی اجازت مانگنے کے لئے جا رہے تھے۔

پھر ہم نہر جیحون عبور کر کے بلاد خراسان کی طرف آئے، اور ترمذ سے واپسی کے بعد ہمیں ڈیڑھ دن تک ایک وادی صحرا اور ریگ میں سے گذرنا پڑا جس میں کوئی آبادی نہ تھی۔

چنگیز خاں کی درندگی، سفّاکی، اور بہیمیت کا شکار

اب ہم بلخ پہنچے، اب یہ شہر تمام تر ایک ویرانہ ہو کر رہ گیا ہے، اس کی جو عمارتیں سلامت ہیں وہ حد درجہ مستحکم ہیں۔ اس کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ جو مٹ گئی، اس کے مدرسوں اور مسجدوں پر گذشتہ صناعیوں کے نشانات اب تک باقی ہیں۔ اس شہر کو بھی چنگیز لعین نے برباد کر دیا۔ اور مٹا ڈالا تھا۔ ایک تہائی مسجدیں تو اس نے بالکل ڈھا دیں۔ کیونکہ اسے کسی نے بتایا تھا۔ کہ ان کے ستونوں میں سے کسی ستون کے نیچے خزانہ ہے مسجد جامع دنیا کی تمام مسجدوں میں اچھی اور فراخ ترین ہے، اور رباط کی مسجد جو مغرب میں ہے ستونوں کی بلندی میں اس کے مشابہ ہے، اور بلخ کی مسجد جو اس کے سوا اس سے اجمل ہے۔

مسجد بلخ کی تعمیر و تاسیس کی تاریخ

کسی مورخ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ بلخ کی مسجد ایک عورت کی بنوائی ہوئی ہے، جس کا شوہر بنی عباس کی طرف سے بلخ میں امیر تھا۔ اسے داؤد بن علی کہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ خلیفہ باشندگان بلخ پر ناراض ہوا۔ اس کا باعث وہی لوگ تھے۔ ان کے پاس ایک ایسے شخص کو بھیجا جو ان پر نہایت سخت عقوبت کرے۔ جب یہ شخص بلخ پہنچا، تو یہاں کی عورتیں اور بچے اس عورت کے پاس آئے، جس نے مسجد بنائی۔ یہ ان کے امیر کی زوجہ تھی۔ ان سب نے اپنا حال اور جرمانہ کی کیفیت بیان کی۔ اس نے اس امیر کے پاس جو ان پر جرمانہ کرنے آیا تھا۔ ایک شخص

کے ہاتھ اپنا جواہرات سے مرصع ایک کپڑا بھیجا۔ جس کی قیمت اس رقم سے زیادہ تھی۔ جو اہل بلخ پر جرمانہ تھی، اور اس سے کہا کہ یہ کپڑا لے کر خلیفہ کے پاس چلا جا، میں نے باشندگان بلخ کی طرف سے ان کے ضعفِ حال کی بنا پر صدقہ دیا ہے، یہ خلیفہ کے پاس چلا گیا۔ اور اس کے سامنے یہ کپڑا ڈال دیا، اور سارا حال بیان کیا۔ خلیفہ بہت شرمندہ ہوا۔ اور کہا کیا یہ عورت ہم سے زیادہ صاحب کرم ہے، اور حکم دیا کہ اہل بلخ سے جرمانہ لینا موقوف کر دیا جائے۔ اور کہا کہ کپڑا اس عورت کو واپس کر دیا جائے، اور باشندگان بلخ پر ایک سال کا خراج بھی معاف کر دیا۔ وہ امیر بلخ کی طرف واپس آیا، اور اس عورت کے مکان پر خود پہنچا، اور خلیفہ نے جو کچھ کہا تھا اس سے کہا۔ اور اسے وہ کپڑا واپس کر دیا۔ اس نے اس سے کہا خلیفہ نے اس کپڑے کو دیکھا بھی تھا۔ اس نے کہا ہاں، کہنے لگی جس کپڑے پر غیر محرم کی نظر پڑھ چکی اسے میں نہ پہنوں گی۔ اور حکم کیا کہ اس کو فروخت کر ڈالا جائے، اسی سے مسجد خانقاہ اور الکذان کی ایک رباط بنوائی جو ہنوز آباد ہے، پھر بھی اس کپڑے کی قیمت میں سے دو تہائی رقم بچ رہی۔ کہتے ہیں کہ اس نے اس مابقی رقم کے متعلق حکم کیا کہ مسجد کے کسی ستون کے نیچے دفن کر دیں، تاکہ بوقت ضرورت وہاں سے اس کا نکالنا آسان ہو۔

جب تنگیز کو اس واقعہ کا علم ہوا، جو مسجد کے ستون کو گرانے کا حکم دے دیا۔ ان میں سے تقریباً تین ستون گرائے گئے۔ جب کچھ نہ ملا تو باقی کو جیسے تھا ویسے ہی چھوڑ دیا۔

حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ کا مزار

بلخ کے بیرون میں عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلعم وتسلیماً کا مزار ہے، آپ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، اس پر ایک بہت بڑی خانقاہ بنی ہوئی ہے، ہم اس میں اترے تھے، اس کے باہر پانی کا ایک عجیب حوض بنا ہوا ہے، اور اس پر اخروٹ کا ایک بہت بڑا درخت ہے،

یہاں حضرت حزقیل النبی علیہ السلام کا مزار ہے، اس پر ایک اچھا قبہ بنا ہوا ہے، یہاں ہم نے اور بھی بہت سے صالحین کے مزارات کی زیارت کی تھی۔ جو اب مجھے یاد نہیں ہیں۔

ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ کا مکان

ہم ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ کے مکان میں اترے تھے، یہ ایک بہت بڑا مکان ہے، جو

سفید پتھر کا جو الکذان سے مشابہ ہے، بنا ہوا ہے، اس خانقاہ سے متعلق ایک کھیت ہے جس کے راستے بند کر دیئے گئے ہیں، اس لئے ہم اس کھیت میں نہ جا سکے۔ یہ جامع مسجد کے قریب ہے،

پھر ہم نے شہر بلخ سے کوچ کیا۔ اور قوہ استان (قہستان) کے پہاڑوں میں سات دن تک مسافت طے کرتے رہے، اس میں بہت آباد مواضعات ہیں۔ جاری پانی اور بکثرت درخت بھی ہیں، اور بہت سی خانقاہیں ہیں۔ ان میں وہ صالح لوگ رہتے ہیں جنہوں نے خدائے برتر کے لئے دنیا سے تعلقات منقطع کر لئے تھے۔

○○○○○○○○○○

شہر ہرات

خراسان کا سب سے بڑا، آباد اور بارونق شہر!

پھر ہمارا شہر ہرات میں ورود ہوا۔ یہ خراسان کے سب شہروں میں سے بہت آباد ہے۔ خراسان کے شہر بہت بڑے بڑے ہیں۔ جن کی تعداد چار ہے، ان میں دو یعنی ہرات اور نیشاپور تو آباد ہیں۔ اور دو یعنی بلخ اور مرو ویران ہیں۔ شہر ہرات بہت بڑا ہے، اس کی آبادی بہت زائد ہے۔ یہاں کے باشندے صلاح و عفاف اور دیانت سے متصف ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے پیروکار ہیں، فساد سے بالکل پاک ہے۔

سلطان غیاث الدین غوری کی شجاعت و شہامت کی داستان

یہاں کا سلطان المعظم حسین بن سلطان غیاث الدین غوری[1] ہے، اس کی شجاعت زبان زد خلائق ہے، اور اس کی تائید و سعادت سب منجانب اللہ ہے، اس کی امداد بر مقامات پر تائید ہوئی ہے جس سے نہایت تعجب ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ جب اس کا لشکر سلطان خلیل کے مقابل ہوا تھا۔ جس نے اس کے خلاف جنگ کی ٹھنی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سامنے قید کر کے حاضر کیا گیا۔

اور دوسرے وقت جب مسعود رافضیوں کے سلطان سے بنفس نفیس اس کا مقابلہ ہوا جس کی انتہا یہ ہے کہ سلطان نے شکست کھائی، بھاگ کھڑا ہوا اور اس کا ملک نکل گیا۔ سلطان حسین اپنے بھائی کے بعد جو ملقب حافظ مشہور تھا۔ والی ملک ہوا اور اس کا یہ بھائی اپنے والد غیاث الدین کے بعد والی ہوا تھا۔

---

[1] سلطان شہاب الدین غوری فاتح ہند اس کا چھوٹا اور چہیتا بھائی تھا۔

شیعوں اور سنیوں کے مابین جنگ وجدال کی کہانی

خراسان میں دو شخص تھے، ان میں سے ایک کا نام مسعود تھا۔ اور دوسرے کا نام محمد۔ ان دونوں کے پانچ ساتھی اور تھے، ان لوگوں کا پیشہ ڈاکہ زنی تھا۔ یہ لوگ عراق میں شطا کہلاتے ہیں۔ اور خراسان میں سرابد اور مغرب میں انہیں صنقورۃ کہتے ہیں۔ ان ساتوں نے فساد اور قزاقی پر کمر باندھی اور مال لوٹا ان کے متعلق خوب شہرت ہوئی، ایک بلند پہاڑ پر شہر بیہق کے قریب رہتے تھے۔ اسے شہر سبز (اور سبزدار) بھی کہتے ہیں۔ دن کو پوشیدہ رہتے، اور رات اور شام کو نکلتے، مواضعات پر چھاپے مارتے، اور راہ زنی کرتے، اور لوگوں کا مال چھین لیتے۔ جو ان کی طرح شر و فساد والے تھے، وہ بھی ان کے شریک ہو گئے، یہاں تک کہ ان کی تعداد بڑھ گئی۔ اور ان کی ہیبت بہت جم گئی، اور لوگ ان سے ڈرنے لگے۔ انہوں نے شہر بیہق پر ایسا چھاپا مارا کہ اس کے مالک ہی بن گئے، پھر اس کے سوا اور بھی کئی شہروں پر قابض ہو گئے۔ بہت سا مال حاصل کیا۔ لشکر قائم کئے، اور گھوڑوں پر سوار ہونے لگے، مسعود نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ اور غلام اپنے آقاؤں کے پاس سے ان کا مال لے کر بھاگتے اور اس کے پاس جمع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے جس کا غلام بھاگ جاتا۔ اس کا گھوڑا اور مال اسے دے دیتا۔ اور اگر اس سے کوئی شجاعت ظاہر ہوتی، تو اسے ایک جماعت کا افسر بنا دیتا۔ اس طرح اس کا لشکر بہت بڑھ گیا۔ اور اس کی حکومت غالب ہو گئی۔ ان سب نے مذہب رفض اختیار کر لیا۔ اور خراسان کے اہل سنت کی بیخ کنی پر آمادہ ہو گئے۔ تا بانجا رسید کہ تمام خراسان میں صرف ایک کلمہ رافضیہ تھا۔

باشندگان شہر سمنان نے رافضہ پر چڑھائی کی، ان کی تعداد ایک سو بیس ہزار تھی، جس میں پیادے بھی تھے۔ اور سوار بھی۔ ان کا سپہ سالار الملک الحسنی تھا۔ رافضی ایک لاکھ پچاس ہزار کی تعداد میں صرف سوار ہی سوار جمع ہوئے تھے، دونوں صحرائے بوشیخ میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔

دونوں فریق خوب جم کر لڑے۔ آخر کار میدان روافض ہی کے ہاتھ رہا۔ ان کا سلطان مسعود تو بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن بیس ہزار کی افواج کے ساتھ ان کا خلیفہ میدان کارزار میں جما رہا۔ حتیٰ کہ یہ قتل ہو گیا۔ اور فریق مخالف کے بہت سے لوگوں کو بھی تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اور تقریباً ان میں سے چالیس ہزار کو قید کر لیا، جو لوگ اس جنگ میں موجود تھے۔ ان میں سے بعض نے مجھ سے بیان کیا کہ قتال کا آغاز چاشت کے وقت سے ہوا تھا۔ اور شکست زوال کے وقت ظہر کے بعد ملک حسین میدان میں اترا،

اور نماز پڑھی، پھر کھانا آیا۔ یہ اور اس کے بڑے ساتھی کھانا کھاتے تھے۔ اور تمام لوگ قیدیوں کی گردنیں اڑا رہے تھے۔

اس فتح عظیم کے بعد جسے اللہ برتر نے اس کے ہاتھوں سے اہل سنتہ کو عطا کیا تھا اپنے پایہ تخت کی طرف واپس آیا۔ اور فتنہ کی آگ بجھی، یہ واقعہ میرے ہندوستان سے ۷۴۸ھ (مطابق ۱۳۴۷ء) میں نکلنے کے بعد ہوا۔

شراب نوش بادشاہ پر فقیہ شہر نے حد جاری کی

مجھ سے ذکر کیا گیا کہ لوگوں کو ایک دن علم ہوا کہ ملک الحسین کے گھر میں کوئی منکر امر ہوا ہے، یہ لوگ اس کے دفعیہ کے لئے جمع ہو گئے۔ یہ ان کی وجہ سے اپنے گھر کے اندر پناہ گزین ہو گیا۔ یہ سب لوگ دروازہ پر ساٹھ ہزار کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ یہ ان سے خوف زدہ ہوا۔ فقیہ اور شہر کے بڑے لوگوں کو بلایا۔ امر منکر یہ تھا کہ اس نے شراب پی تھی۔ انہوں نے قصر کے اندر ہی اس پر حد قائم کی۔ اور پھر اس کے یہاں سے واپس آ گئے۔

مطبوعہ: شیخ شوکت علی پرنٹرز۔ کراچی

جام

مولانا جامی کا شہر
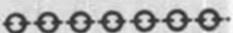
شہر ہرات سے ہم شہر جام میں وارد ہوئے۔ یہ متوسط درجہ کا خوبصورت شہر ہے، جو باغات واشجار اور بکثرت چشموں اور نہروں پر موقوف ہے، اس میں اکثر درخت توت کے ہیں، یہاں ریشم بہت ہوتا ہے، اور ولی، عابد و زاہد شہاب الدین احمد الجام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، آپ کی حکایت ہم عنقریب حوالۂ قلم کریں گے۔ آپ شیخ احمد معروف بزادہ کے پوتے ہیں۔ جنہیں ملک الہند نے قتل کیا تھا۔ شہر ہذا اب تک آپ کی اولاد کی معافی میں ہے۔ جس کا سلطان کی طرف سے معافی نامہ لکھا ہوا ہے، ان کے لئے یہاں بہت سامان نعمت و ثروت ہے، یہاں کے ایک ثقہ شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ سلطان ابا سعید ملک العراق خراسان میں ایک مرتبہ آیا، اور اس شہر میں اترا یہاں شیخ کی خانقاہ ہے، اس کی آپ نے بڑی شاندار دعوت کی۔ اس کے لشکر میں ہر خیمہ کے پیچھے ایک راس بھیڑ اور ہر چہار آدمیوں پر بھی ایک راس بھیڑ، اور لشکر کے ہر چوپائے یعنی گھوڑے خچر اور گدھے کو شب کی خورش الغرض لشکر میں کوئی بھی ایسا حیوان نہیں رہا، جسے آپ کی ضیافت نہ پہونچی ہو۔

حضرت شیخ شہاب الدین کا ذکر بابرکت

کہتے ہیں کہ آپ بہت زیادہ شراب نوشی میں بعشرت زندگی بسر کرتے تھے۔ اور آپ کے ندما تقریباً ساٹھ کے تھے۔ ہر ایک کے یہاں جمع ہوتے۔ اسی طرح ہر ایک کی باری دو مہینے کے بعد آتی تھی۔ اس طرح ایک مدت تک ان کی بسر ہوئی۔ پھر ایک دن شہاب الدین کی

باری آئی۔ اس رات کو آپ نے توبہ کی، اور پروردگار کے ساتھ اپنے اصلاح حال کا مصمم عزم کر لیا، اور اپنے دل میں یہ ارادہ کیا کہ اگر اب اپنے پاس ان کی آمد سے پہلے میں توبہ کروں، اور ان سے کہہ دوں تو ان کا خیال ہوگا کہ یہ سرانجام نہ دے سکا۔ پس جو کچھ مہیا کیا جاتا تھا۔ خوردنی اور نوشیدنی سب مہیا کیا۔ اور شراب کو مشکیزوں میں بھر دیا۔ آپ کے ساتھی آ گئے۔ جب انہوں نے شراب نوشی کا ارادہ کیا۔ تو ایک مشکیزہ کھولا، ان میں سے ایک نے چکھا تو شیریں پایا۔ پھر دوسرا مشکیزہ کھولا۔ اسے بھی ایسا ہی پایا۔ پھر تیسرا کھولا۔ اس کے ذائقہ کی بھی یہی حالت تھی۔ انہوں نے اس کے متعلق شیخ سے کہا، شیخ نے حقیقت حال بیان کر دی، اور اپنے صفائے باطن کی انہیں تصدیق کرا دی، اور انہیں توبہ کے متعلق بتا دیا۔ اور فرمایا یہ خدا یہ وہی شراب ہے جسے تم پیا کرتے تھے، اب تو ان سب نے اللہ تعالے کے دربار میں توبہ کر لی، اور اس خانقاہ کی بنا ڈالی۔ اور اس میں پھر سب اللہ برتر کی عبادت کے لئے دنیا سے منقطع ہو کر آ گئے۔ ان شیخ سے اور بھی کرامات اور مکاشفات کا اظہار ہوا ہے۔

○○○○○○○
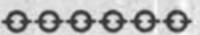
ہم شہر طوس پہنچے یہ خراساں کے عظیم ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک بھی یہیں ہے، وہ یہیں کے رہنے والے تھے۔

---

[1] بڑا مردم خیز شہر تھا مشہور فلسفی نصیر الدین طوسی کا نام کون نہیں جانتا۔ نظام الملک طوسی جیسا وزیر باتدبیر تاریخ کا ہیرو ہے۔

مشہدِ مقدس کی زیارت

پھر ہمارا شہر جام سے مشہد الرضی میں ورود ہوا۔ آپ علی بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن علی زین العابدین بن الحسین الشہید بن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ بھی بڑا اور ضخیم شہر ہے، فواکہات پانی اور پن چکیوں کی یہاں بڑی کثرت ہے، اسی میں طاہر محمد شاہ تھا۔ ان کے یہاں طاہر اسے کہتے ہیں، جسے باشندگان مصر نقیب کہتے ہیں۔ اور شام، عراق، ہند، سندھ، اور ترکستان کے لوگ اسے سید الاجل کہتے ہیں۔ اسی مشہد میں قاضی الشریف جلال الدین بھی تھے۔ ان سے میں سرزمین ہند میں ملا، اور شریف علی اور اس کے دونوں بیٹوں امیر ہند اور دولت شاہ یہ سب میرے ساتھ ترمذ سے بلاد الہند آئے، یہ لوگ فضلاء میں سے تھے۔

اس شہر مکرم پر بہت بڑا قبہ خانقاہ کے اندر بنا ہوا ہے، اور اسی کے پاس مدرسہ اور مسجد ہے، ان سب کی بنا نہایت اچھی ہے، دیواریں قاشانی کی۔ مزار مبارک پر ایک لکڑی کا چبوترہ ہے، جس پر چاندی کے پتر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور اس پر چاندی کی قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں۔ قبہ مبارک کے دروازہ کی چوکھٹ چاندی کی ہے، اور اس کے دروازہ پر زریں ریشم کا پردہ پڑا ہوا ہے، اس میں طرح طرح کے فرش بچھے ہوئے ہیں۔

خلیفہ ہارون الرشید کی تربت

اس مزار کے برابر ہارون الرشید امیر المومنین کی قبر ہے، اس پر ایک بلند مقام بنا ہوا ہے، جس پر وہ شمعدان رکھے جاتے ہیں، جنہیں اہل مغرب الحسک اور المنائر کہتے ہیں جب کوئی رافضی زیارت کے لئے داخل ہوتا ہے، تو الرشید کی قبر پر ٹھوکر مارتا ہے، اور الرضی کو سلام کرتا ہے۔

سرخس اور نیشاپور میں آمد

پھر شہر سرخس میں وارد ہوئے۔ اس کی طرف الشیخ الصالح لقمان السرخسی منسوب ہیں، پھر یہاں سے کوچ کیا، اور شہر زادہ میں ہمارا ورود ہوا، یہ الشیخ الصالح قطب الدین حیدر کا شہر ہے، آپ کی طرف فقراء میں سے طائفۃ الحیدریہ منسوب ہے، یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے ہاتھوں اور گلوں اور کانوں میں لوہے کے کڑے ڈالے رہتے ہیں، اور اپنے عضو تناسل میں بھی ڈالتے ہیں، تاکہ نکاح کے لائق نہ رہیں۔ پھر ہم یہاں سے روانہ ہوئے۔

نیشاپور میں سیاح کی آمد و زیارت

اس کے بعد شہر نیشاپور میں وارد ہوئے۔ یہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے، جو خراسان کے پایۂ تخت کہلاتے ہیں، اسے دمشق الصغیرۃ بسبب کثرت فواکھ، باغات آب جاری اور حسن کے کہتے ہیں، یہاں سے چار نہریں نکل جاتی ہیں۔ اس کے بازار نہایت اچھے اور وسیع ہیں، اور اس کی مسجد بھی نادر ہے، جو وسط بازار میں واقع ہے، اس کے قریب مدارس میں سے چار مدرسے ہیں، اس میں سے گہرا پانی ہوتا ہوا گذرتا ہے، اور طلباء کی بہت لوگ ہیں، جو قرآن اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ خراسان عراقین دمشق، بغداد اور مصر کے مقابلہ میں گو ان کی پائیداری اور خوب صورتی انتہا کو پہونچی ہوئی ہے، اعلیٰ مدرسہ ہے، اور سب اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ اسے مولانا امیر المومنین المتوکل علی اللہ المجاہد فی سبیل اللہ عالم الملوک وواسطۃ عقد الخلفاء الغافلین ابو عنان وصل اللہ سعدہ ونصر جندہ نے تعمیر کرایا ہے، یہ وہ مدرسہ ہے،

---

[۱] یہ خراسان کا قدیم اور بڑا شہر ہے، اور نیشاپور اور مرو کے مابین واقع ہے۔

جو پایۂ تخت خاص اللہ برتر اس کی حفاظت فرمائے کے قبضے کے پاس ہے، نہ اس کے مثل کوئی وسعت میں ہے، اور نہ بلندی میں، اس میں گچ کے نقش ہیں۔ اہل مشرق کو ایسا بنانے پر دست رس ہی نہیں۔

نیشاپور میں ریشم کا کپڑا نخ اور کمخا وغیرہ سے بنایا جاتا ہے، اور یہاں سے ہند کی طرف جاتا ہے، اس شہر میں شیخ الامام العالم القطب العابد قطب الدین النیشاپوری کی خانقاہ ہے، آپ بہت بڑے واعظ اور علمائے صالحین میں سے ہیں۔ میں آپ ہی کے پاس فروکش ہوا تھا۔ آپ میرے ساتھ نہایت خاطر و تواضع سے پیش آئے، اور اکرام کیا۔ میں نے آپ کے بہت براہین اور کرامات عجیبہ کا مشاہدہ کیا ہے،

حضرت قطب الدین نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

میں نے نیشاپور میں ایک ترکی غلام خریدا تھا۔ آپ نے اسے میرے ساتھ دیکھ کر فرمایا یہ غلام تمہارے ساتھ بھلائی نہ کرے گا۔ اسے بیچ ڈالو۔ میں نے آپ سے عرض کیا بہت خوب اور دوسرے ہی دن اس غلام کو فروخت کر ڈالا۔ اسے کسی تاجر نے خریدا تھا۔ اور شیخ کو خیرباد کہہ کر چلا آیا۔ جب شہر بسطام پہنچا تو مجھے میرے ساتھیوں میں سے کسی نے نیشا سے خط لکھا، اس میں مندرج تھا کہ غلام مذکور نے ترکوں کے لڑکوں میں سے کسی کو قتل کر دیا، اور خود بھی مارا گیا۔ یہ اس شیخ قدس سرہ کی واضح کرامت ہے،

بسطام شریف میں حاضری

پھر میں شہر بسطام میں حاضر ہوا۔ مشہور عارف اور صاحب طریقت بزرگ حضرت ابویزید بسطامی یہیں کے رہنے والے تھے۔ اسی شہر میں آپ کا مزار مبارک بھی۔ آپ ہی کے ساتھ ایک ہی قبہ میں جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی کسی اولاد کا مزار ہے، بسطام ہی میں شیخ الصالح ادلی ابی الحسن الخرقانی کا مزار ہے، میں اس شہر میں شیخ ابی یزید البسطامی قدس سرہٗ کی خانقاہ مبارک میں فروکش ہوا تھا۔ پھر اس شہر سے براہ ہندقندوس و بغلان میں وارد ہوا۔ یہ مواضعات ہیں۔ ان میں مشائخ اور صالح حضرات رہتے ہیں۔ اور باغات اور نہریں بھی ہیں۔

ooooooooooooo
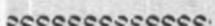
کوہِ ہندوکش کا نظارہ

ہماری اقامت کے اسباب میں سے برف کا خوف بھی تھا۔ کیونکہ اثنائے راہ میں ایک پہاڑ پڑتا تھا۔ جسے ہندوکش کہتے ہیں۔ اس کے معنی قاتل الہنود کے ہیں۔ کیونکہ جو غلام اور جاریہ بلادِ ہند سے یہاں لائی جاتی تھیں، توان میں سے بہت سی جانیں سردی کی شدت اور برف کی کثرت کی وجہ سے ضائع ہو جاتی تھیں۔ اس کی پورے ایک دن کی مسافت تھی۔ ہم یہاں اس وقت تک مقیم رہے، جب تک پورا گرمیوں کا موسم نہ ہو لیا۔ آخر شب میں اس پہاڑ کی مسافت طے کرنی شروع کی۔ اور غروبِ آفتاب تک سارا دن چلتے رہے، اپنے لبادوں کو ہم اونٹوں کے سامنے بچھا دیتے تھے۔ وہ انہیں پر چلتے تھے۔ تاکہ برف میں نہ غرق ہو جائیں۔ پھر ہم نے کوچ کیا۔

پھر یہاں سے موضع اندر میں وارد ہوئے۔ یہاں اگلے زمانہ میں ایک شہر تھا۔ جس کے نشانات اب مٹ چکے ہیں۔ یہاں ہم ایک بڑے گاؤں میں اترے، جہاں فضلاء میں سے ایک بزرگ کی خانقاہ بھی تھی۔ اسے محمد المہروی کہتے ہیں۔ ہم آپ ہی کے پاس فروکش ہوئے۔ آپ نے ہمارا بڑا اکرام کیا۔ جب ہم کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے تو آپ حسنِ اعتقاد اور فضل کی وجہ سے ہمارے ہاتھ کا دھوون پی جاتے پہاڑ ہندوکش پر چڑھنے کے وقت تک آپ نے ہمارا سفر میں ساتھ دیا۔ اس پہاڑ پر ہمیں پانی کا ایک گرم چشمہ ملا۔ اس میں ہم نے منہ دھوئے۔ اس کی وجہ سے ہماری کھال جل گئی، اور ہمیں بہت تکلیف رہی۔

جبل بدخشاں اور دوسرے مقامات

ہم پنج ہیر میں وارد ہوئے، پنج کے معنی پا پنج کے ہیں۔ اور ہیر بمعنی پہاڑ۔ اس لئے بمعنی پا پنج پہاڑ ہوئے یہاں ایک نہایت اچھا کثیر الاالعمارت شہر ایک ایسی نیلی بڑی نہر پر واقع تھا گویا سمندر سمجھئے، جو بدخشاں سے آتی تھی۔ اس پہاڑ میں وہ یاقوت ملتے ہیں۔ جنہیں لوگ بلخش کہتے ہیں، ان بلاد کو تنگیز۔ شاہ تاتار نے جب سے ویران کیا ہے، تب سے آبادی کی نوبت نہ آئی، شہر ہذا میں شیخ سعید المکی کا مزار مبارک ہے، یہاں کے باشندے اس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔

افغانستان کی سیاحت

کابل، غزنی، اور قندھار میں ورود

پھر شہر غزنہ میں ورود ہوا۔ یہ مشہور نام سلطان المجاہد محمود بن سبکتگین کا ہے، یہ کبار سلاطین میں سے الملقب بیمین الدولہ تھا۔ اس نے بلاد ہند میں بہت جنگیں کی ہیں، اور یہاں کے بہت سے شہر اور قلعہ جات فتح کئے ہیں، اس سلطان کی قبر اس شہر میں ہے، جس پر خانقاہ بنی ہوئی ہے، اب اس بلدہ کا بڑا حصہ ویران ہو چکا ہے، بس اب صرف تھوڑا سا حصہ باقی ہے، پہلے یہ بہت بڑا تھا، سردی یہاں بہت پڑتی ہے، یہاں کے باشندے سردی کے زمانے میں قندھار چلے جاتے ہیں، یہ بڑی اور سرسبز جگہ ہے ہمیں یہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ان دونوں کے مابین تین منزل کی سافت ہے، اس کے بیرون میں ایک گاؤں ہے، اس میں ایک پانی کی نہر کے کنارے جو قلعے کے نیچے ہے، ہم اترے تھے۔ یہاں کے امیر مرذک آغا نے ہمارا بڑا اکرام کیا۔ مرذک کے معنی چھوٹے کے ہیں۔ اور آغا بمعنی کبیر الاصل۔ پھر ہماری روانگی ہوئی۔ اور کابل میں ورود ہوا، گذشتہ زمانہ میں یہ بہت بڑا شہر تھا۔ اب یہاں ایک گاؤں ہے، جس میں عجمیوں کی بود باش ہے، انہیں الافغان کہتے ہیں۔ ان کی مقبوضات پہاڑ اور گھاٹیاں ہیں، اور شوکت و قوت والے لوگ ہیں، ان میں سے اکثر ڈاکہ زنی کیا کرتے تھے، ان کے سب سے بڑے پہاڑ کا نام کوہ سلیمان ہے۔ کہتے ہیں نبی اللہ سلیمان علیہ السّلام نے اس پہاڑ پر چڑھ کر سرزمین ہند کی طرف دیکھا تھا۔ اس وقت یہ تاریک تھی۔ اس لئے آپ پلٹ آئے، اور اس میں نہ داخل ہوئے، اسی لئے آپ کے نام پر اس پہاڑ کا نام رکھ دیا، الافغان کا بادشاہ اسی میں رہتا ہے، کابل میں شیخ اسماعیل الافغانی کی خانقاہ ہے، آپ شیخ عباس

لہ یہ لوگ اپنے بیان کے لحاظ سے بنی اسرائیل اور پہلے اسرائیلی بادشاہ طالوت کے خاندان سے ہیں۔

کے مرید ہیں، جو کبار اولیا میں سے تھے، پھر یہاں سے روانہ ہو کر ہم ثتہر کرماش میں وارد ہوئے، یہ دو پہاڑوں کے درمیان میں ایک قلعہ ہے، جہاں افغانی راہزنی کرتے ہیں۔ جب ہم یہاں سے گذرے تو ان سے لڑتے جاتے تھے، یہ بلندی کوہ پر تھے، ہم انہیں تیر مارتے تھے، تو بھاگ جاتے تھے، ہمارے رفیق ہلکے پھلکے تھے۔ ان کے ساتھ تقریباً چار ہزار گھوڑے تھے، اور میرے پاس اونٹ تھے، جن کی وجہ سے میں راستہ سے کٹ رہا تھا۔ میرے ساتھ ایک جماعت تھی جس میں سے بعض افغان تھے، ہم نے اپنا کچھ زادِ راہ ڈال دیا۔ اونٹ راستہ میں تھک گئے تھے، ان کا بوجھ بھی ڈالدیا۔ جب دوسرے دن ہمارے گھوڑے اس طرف واپس ہوئے، تو ہم نے اسے پھر لادلیا، اور دوسری عشاء کے بعد قافلے کے ساتھ مل گئے، شب کو ہمارا قیام ششنغار میں قیام رہا، یہ آخری آبادی ہے، جو بلاد اتراک سے ملتی ہے، یہاں سے ہم ایک بڑے میدان میں داخل ہوئے، جس کی پندرہ منزل مسافت تھی۔ جس میں صرف ایک ہی فصل میں داخلہ ہو سکتا تھا۔ یہ جبکہ سرزمین سندھ اور ہند میں موسم بارش ختم ہو چکتا تھا۔ یعنی ماہ یولیتہ کے آغاز میں۔ اس میدان میں بڑی قاتل بادِ سموم بھی چلتی ہے، جو جسموں میں عفونت پیدا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے، تو اس کے تمام اعضاء بکس جاتے ہیں، ہم یہ بھی ذکر کر چکے ہیں۔ کہ یہ ہوا ہرمز اور شیراز کے مابین میدان میں چلتی ہے، ہم سے پہلے ہمارے بڑے رفقا جن کا ایک فرد خداوند زادہ قاضی ترمذ بھی تھا چلے تھے، چنانچہ ان کے اونٹ اور بہت سے گھوڑے موت کی نذر ہوئے۔

پنجاب کی طرف

بعد ازاں میں اور میرے رفیق خدا کا شکر ہے، کہ پنجاب صحیح و سالم پہنچے۔ یہ دریائے سندھ ہے، پنج کے معنی پانچ کے، اور آب کے معنی دریا کے اس لئے اس کے معنی پانچ ندیاں ہوئیں، یہ ایک بڑی نہر میں گرتی ہیں۔ اور ان اطراف کو سیراب کرتی ہیں، جن کا انشاء اللہ آگے ذکر آئے گا۔ اسی شب ہم نے محرم کا چاند ۷۳۴ھ (مطابق ۱۲ ستمبر ۱۳۳۳ء) کو دیکھا۔ یہاں سے پرچہ نویسوں نے بادشاہ کو ہمارے حالات کی کیفیت سے مطلع کیا۔ اس سفر کے حالات یہیں ختم کئے جاتے ہیں۔ (الحمد للہ)

حصہ اوّل و دوم
اُردو ترجمہ معہ عربی متن

اُردو ترجمہ
مولانا راغب رحمانی دہلوی
تصنیف
محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

یہ کتاب سرخیل علماء عارفین اور سرتاج الاولیاء و مسلمین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی الحسینی الحنبیؒ کی وہ شہرۂ آفاق تصنیف ہے جو صدیوں سے دینی روحانی اور اخلاقی تعلیم کا سرچشمہ ہے۔ حضرت والا نے ایمان اور اسلامی اخلاق و شریعت کے مسائل کو بہت سہل انداز میں پیش کیا ہے۔ حیرتناک کرامات و تصرفات کا گنجینہ ہے۔ طالبان حق کی رہنمائی اور سلوک و عرفان کی منزلیں کامیابی کے ساتھ طے کرنے کے لئے یہ کتاب گرانقدر تحفہ ہے۔

خوبصورت جلد آفسٹ طباعت
نفیس اکیڈیمی
اسٹریچن روڈ ـــــ کراچی ـــــ فون نمبر ۲۱۳۳۰۳
قیمت ۷۰/- روپے

آیات بینات کا ایک باب

مصنفہ :- نواب محسن الملک سید محمد مہدی علی خان

یہ کتاب نواب محسن الملک کی مشہور اور معرکتہ الآرا کتاب آیات بینات کا ایک اہم حصہ ہے۔ وہ عمیق مطالعہ رکھنے والے ایک وسیع النظر عالم اور محقق تھے انھوں نے اس کتاب آیات بینات کے علاوہ بھی متعدد کتابیں لکھیں اور حق یہ ہے کہ اگر ان کے قلم سے اس کتاب کے علاوہ اور کتاب نہ نکلتی اور نہ کوئی مضمون لکھتے پھر بھی انکی ایک یہی کتاب ان کے وسیع مطالعہ اور ذوق تحقیق کے لئے شاہد عادل ہوتی اور اس بات کی دلیل قاطع ہوتی کہ محسن الملک ایک بے لاگ، حق پسند اور بے تعصب محقق کامل تھے۔

خوبصورت گردپوش مجلد - آفسٹ طباعت

مطبوعہ

نفیس اکیڈیمی

اسٹریچن روڈ ——— کراچی ——— فون نمبر ۲۱۳۳۰۳

قیمت :-

سفرنامۂ ابن بطوطہ

حصۂ دوم

مُسافِر

یہ عالم یہ ہنگامۂ رنگ و صوت
یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت

یہ عالم، یہ بت خانۂ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش

خودی کی یہ ہے منزلِ اوّلیں
مُسافر یہ تیرا نشیمن نہیں

تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر

خودی شیرِ مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسماں اسکا صید

جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجود

ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخیٔ فکر و کردار کا

یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

تو ہے فاتحِ عالمِ خوب و زشت
تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت

(اقبالؔ)

اس سفرنامہ کے مطالعہ سے دو حقیقتیں اور
زیادہ روشن ہوکر نظر کے سامنے آجاتی ہیں:۔

وہ عظیم الشان مکاں دیتی تھیں جن کی رفعتیں
ہنس کے طاقِ آسماں کو طاقِ ابرو سے جواب
ان میں تھے وہ صاحب ثروت جنہیں کہتی تھی خلق
کیقباد و قیصر و کیخسرو افراسیاب
مہروش، بہرام صولت، بدر قدر چرخ درخش
مشتری ہمت، ثریا بارگہ، کیواں جناب،

یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط تھا یا دفعتہً
کر دیا ایسا کچھ اس دورِ فلک نے انقلاب
وہ تو سب جاتے رہے دم میں حباب آسا مگر
رہ گئے عبرت زدہ وہ قصر و ایوانِ خراب
خواب کہیئے اس تماشے کو نظیرؔ اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں واللہ اعلم بالصواب

(نظیرؔ اکبرآبادی)

سفر نامۂ ابن بطوطہ

(ن)

حصہ دوم پر تبصرہ

پہلا حصہ سفر نامہ ابن بطوطہ کا آپ پڑھ چکے اب دوسرا حصہ مطالعہ میں آئے گا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے حصہ کا بھی سرسری جائزہ لے لیا جائے۔ تاکہ آئندہ جو مباحث زیر نظر آئیں گے ان کا پس منظر سامنے رہے۔

پہلا حصہ تمام تر بلاد اسلامیہ اور ممالک عربیہ کی سیر و سیاحت پر مشتمل تھا، جس میں حجاز مقدس بھی شامل ہے، دوسرا حصہ، ہندوستان (بشمول پاکستان) ملحقہ اقطاع ارض۔ پڑوسی ممالک، انڈونیشیا، سیام، کمبوڈیا اور چین وغیرہ کے سفر پر مشتمل ہے۔

چین، انڈونیشیا اور دوسرے مقامات کا سفر اختیار کیا، وقت کا زیادہ حصہ ہندوستان میں بسر ہوا خوش قسمتی یا بد قسمتی سے قیام ہند کا بڑا حصہ سیاح کو شہنشاہ محمد تغلق کے زیر سایہ گزارنا پڑا، تغلق کے پاس رہنا، پل صراط پر چلنا تھا، ذرا قدم ڈگمگائے اور تحت الثریٰ استقبال کو موجود۔

ابن بطوطہ نے یہ زمانہ عیش و نعم میں گزارا، ہر طرح کی آسودگی اور آسائش حاصل تھی، مال و زر کی کمی نہ تھی، جائداد اور جاگیر بھی حاصل تھی، انعامات کی بارش بھی ہوتی رہتی متعدد مناصب پر فائز ہونے اور اعلیٰ سے اعلیٰ اختیارات کو بروئے کار لانے کے مواقع بھی حاصل ہوئے، لیکن ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ یہ دھڑکا بھی لگا رہتا تھا کہ نہ جانے کب جہاں پناہ اور خسرو ذی جاہ کی نظر پھر جائے، اور جہاں پناہ و خسرو ذی جاہ کی نظر پھری بھی، اور جب ایسا ہوا تو موت سامنے نظر آئی، کیونکہ تغلق کے قہر و عتاب سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔

انداز تحریر سے ایسا معلوم ہوتا تھا ابن بطوطہ کا جی اس دیس میں لگ گیا تھا، یہاں کا ماحول اسے پسند آیا تھا، اگر تغلق کی صورت میں تلوار اس کے سر پر نہ لٹک رہی ہوتی تو شاید

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ یہیں رہ جاتا، لیکن ایسے شہنشاہ کے زیر سایہ رہنا جہاں ہر آن دار و رسن کا امکان تھا کسی طرح ممکن نہ تھا، بار بار اس نے اذن رخصت طلب کیا، لیکن انکار ہوتا رہا، کیونکہ تغلق کے دربار سے ایک مرتبہ وابستہ ہو جانے کے بعد اور پھر باقاعدہ اجازت کے بغیر چلا جانا مرگ بے ہنگام کو دعوت دینا تھا، لیکن اس دہشت، سراسیمگی، اور وحشت کے باوجود کیفیت یہ تھی کہ چین کی سفارت سے واپس آنے کے بعد، اس کے جی میں لہر اٹھی کہ ایک مرتبہ پھر دتی جائے، مگر، تغلق یاد آگیا، حوصلہ نہ پڑا، اور واپس چلا گیا۔

یوں تو حصہ اوّل کے مطالعہ سے بھی یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ ابن بطوطہ کو بیویوں اور لونڈیوں سے بڑی دلچسپی تھی، جہاں داؤں لگ جاتا شادی کئے بغیر نہ رہتا، اور جب جیب بھاری ہوتی، لونڈیاں بھی خریدتا، اور داد عیش دیتا، لیکن ہندوستان میں آکر تو وہ کھل کھیلا، یہاں اس نے کئی شادیاں کیں، اور بہت سی لونڈیوں سے متمتع ہوا اور حسن اتفاق سے جن لونڈیوں سے متمتع ہوا، وہ قومیت کے اعتبار سے مختلف تھیں، اس وسیع و عریض ملک کے ہر خطہ کی آب و ہوا، اور آب و ہوا کے اعتبار سے وہاں کے باشندوں کی جسمانی ساخت اور کیفیت بھی جدا ہے، چنانچہ سب سے زیادہ مرہٹہ اور مالدیپی عورتوں کا ذکر، کیف و سرور اور وجد و نشاط کے عالم میں بار بار کرتا ہے، اور عہد ماضی کی یاد میں ٹھنڈی آہیں بھرتا نظر آتا ہے' —— ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا۔

ایک اور خصوصیت ابن بطوطہ کے اس حصہ کے مطالعہ سے جو نظر آتی ہے یہ ہے کہ ضرورت کے وقت وہ سازش بھی کر سکتا تھا۔ جیسا کہ مالدیپ کے واقعات میں نظر آئے گا۔

سب سے زیادہ نمایاں وصف ابن بطوطہ کا یہ نظر آتا ہے کہ من چلا آدمی ہے، بڑے بڑے خطرات بھی اس کے عزم میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتے، کہیں وہ ڈوبتے ڈوبتے بچتا ہے، کہیں وحوش کا شکار بنتے بنتے رہ جاتا ہے، کہیں رہزنوں اور بحری قزاقوں کا شکار بنتا ہے مگر بچ جاتا ہے مگر اس کے شوق سفر میں کوئی فرق نہیں آتا، وہ پیچھے نہیں لوٹتا، آگے ہی بڑھتا رہتا ہے، اگر یہ وصف بدرجۂ اتم اس میں موجود نہ ہوتا تو آج تاریخ میں اتنا بڑا مقام بھی اسے نہ حاصل ہوتا۔

ابن بطوطہ کی ایک اور خصوصیت جو کسی طرح نظر انداز نہیں کی جاسکتی یہ ہے کہ معمولی سے معمولی جزئیات بھی اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہونے پاتے۔ جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے، تو کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کرتا، ایسی باتیں تک بیان کرتا ہے عام طور پر جن کی طرف لوگ

توجہ نہیں کرتے۔

ایک اور بات جو اس حصہ کے مطالعہ سے واضح ہوتی ہے یہ ہے کہ وہ لکھ لٹ تھا۔ بڑی سے بڑی رقم بھی اُس کے پاس آئی اور گئی، یہ بات بجائے خود عیب کیوں نہ ہو، لیکن اس میں ایک بہت بڑی خوبی بھی مضمر ہے۔ یعنی وہ زر پرست نہیں تھا، اور روپے کے لئے، ایمان وضمیر کا سودا نہیں کرتا تھا۔

یہ دوسرا حصہ پہلے حصہ سے کہیں زیادہ دلچسپ ہے، زبان و بیان کے لحاظ سے بھی، واقعات وحوادث کے اعتبار سے بھی۔!

رئیس احمد جعفری
ٹیگور پارک۔ لاہور

فہرست مضامین

سَفر کی نئی منزل

عربؔ، ایرانؔ، شامؔ:

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں

کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان جچتی نہ تھی آنکھوں میں جہاں داروں کی

کلمہ پڑھتے تھے ہمیں چھاؤں میں تلواروں کی،

حدودِ سندھ میں داخلہ

ڈاک کا بہترین انتظام، ایک عجیب جانور گینڈا، سندھ کے چند شہر

ماہِ محرم ۷۳۴ھ کی یکم تاریخ کو ہمارا دریائے سندھ[1] پر گزر ہوا۔ اس دریا کو پنجاب[2] بھی کہتے ہیں۔ یہ دریا دنیا کے بہت بڑے دریاؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔ گرمیوں کے دنوں میں یہ طوفانی ہو جاتا ہے جس طرح مصر کی زراعت کا دارومدار نیل کی طغیانی پر ہے۔ اسی طرح یہاں کے باشندے بھی اس دریا کی طغیانی پر جیتے ہیں۔ یہاں سے سلطان محمد شاہ[3] مسلمان بادشاہ ہند و سندھ کی عملداری شروع ہوتی ہے جب ہم یہاں پہونچے۔ تو بادشاہ کے پرچہ نویس ہمارے پاس آئے۔ اور ہمارے آنے کی خبر انہوں نے فوراً قطب الملک حاکم ملتان کے پاس بھیجی۔ سندھ کا امیر بادشاہ کی طرف سے ان دنوں سرتیز[4] تھا یہ شخص بادشاہ کا غلام اور فوج کا بخشی تھا۔ جب ہم سندھ پہنچے تو امیر شہر سیوستان[5] میں مقیم تھا۔

منزل بہ منزل سُبک سَیر پیامرسانوں کا انتظام

سیوستان سے ملتان تک دس دن کا راستہ ہے اور ملتان سے دارالخلافہ دہلی تک پچاس دن کا جو پرچہ نویس بادشاہ کو خبر بھیجتے ہیں۔ وہ ڈاک کے ذریعہ صرف پانچ دن میں پہنچ جاتی ہے۔ ڈاک کو اس ملک میں بَرید[6] کہتے ہیں۔ ڈاک دو قسم کی ہوتی ہے ایک گھوڑے کی دوسرے پیادوں کی۔ گھوڑے کی ڈاک کو اولاق کہتے ہیں۔ ہر چار کوس کے بعد گھوڑا بدلتا ہے۔ یہ گھوڑے بادشاہ کی طرف سے موجود

---

[1] سندھ کا پرانا نام جو آریوں نے یہاں آتے ہی رکھا تھا "سندھو" تھا۔ جس کے معنیٰ دریا کے ہیں۔ [2] پنجاب سے مراد بھی دریائے سندھ ہے۔ کیونکہ اس میں پانچوں دریا آکر مل جاتے ہیں چنانچہ مغل حکومت سے پہلے "پنجاب" سے دریائے سندھ مراد لیتے تھے [3] سلطان محمد شاہ تغلق مراد ہے [4] یہ قوم کا ترکمان تھا۔ بادشاہ اس پر اس درجہ مہربان ہوا کہ اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دی، افواج شاہی کا امیر سپاہ بھی یہی تھا ۷۴۷ھ میں بمقام دکن ایک جنگ میں مقتول ہوا۔ [5] موجودہ شہر سہوان،

[6] جدید عربی میں بھی ڈاک کے لئے "برید" ہی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

رہتے ہیں۔ پیادوں کی ڈاک کا یہ انتظام ہے کہ ایک میل میں جس کو وہ کروہ کہتے ہیں تین چوکیاں ہرکاروں کی ہوتی ہیں اس چوکی کو وہ داوہ[1] کہتے ہیں تہائی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں آباد ہوتا ہے گاؤں کے باہر ہرکاروں کے لئے بُرجیاں بنی ہوئی ہیں ہر برجی میں ہرکارے تیار بیٹھے رہتے ہیں، ہرکارے کے پاس ایک چھڑی ڈیڑھ گز لمبی ہوتی ہے جس کے سرے پر تانبے کے گھنگرو بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔
سے ڈاک چلتی ہے تو وہ ایک ہاتھ پر ڈاک رکھ لیتا ہے۔ اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی اور پوری قوت سے دوڑتا ہے۔ دوسرا ہرکارہ اس کے گھنگروں کی آواز سُن کر تیار ہو بیٹھتا ہے اور ڈاک اس سے جھپٹ کر فوراً ہوا ہو جاتا ہے۔ اسطرح جہاں کہیں خط پہنچانا ہوتا ہے۔ پہنچا دیتے ہیں۔ یہ ڈاک گھوڑوں کی ڈاک سے بھی تیز رو ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھی ڈاک کے ذریعہ خراسان کے تازہ میوے بھی بادشاہ کے لئے تھالیوں میں پہنچائے جاتے ہیں۔ اور کبھی کبھی سنگین مجرم کو بھی چارپائی پر اُٹھا کر اسی طرح چوکی بہ چوکی ہرکارے لیجاتے ہیں دولت آباد میں بادشاہ کے لئے دریائے گنگا کا پانی جو ہندوؤں کی جاترا کی جگہ ہے۔ ڈاک ہی سے لیجایا کرتے تھے۔ دولت آباد دریائے گنگا سے چالیس دن کے فاصلے پر ہے۔ پرچہ نویس ہر مسافر کا حال تفصیل وار لکھتے ہیں۔ کہ اس کی صورت وضع قطع۔ لباس خادم اور ہمراہی اور جانور، حرکات و سکنات کوئی بات نہیں چھوڑتے۔ سب کی تفصیل لکھ بھیجتے ہیں[2]۔

سُلطان محمد شاہ تغلق کا حُسنِ سُلوک پردیسیوں اور مُسافروں کیساتھ

جب کوئی مسافر ملتان میں جو سندھ کا پایہ تخت ہے۔ پہونچتا ہے تو جب تک بادشاہ کی طرف سے حکم روانگی نہ آجائے۔ اور اس کی ضیافت کا انتظام نہ ہو جائے۔ اور اس کی مقدار مقرر نہ ہو جائے اس کو وہاں ٹھہرنا پڑتا ہے۔ ہر مسافر کی آؤ بھگت اس کے ساز و سامان اور حرکات و تصرفات کے پیمانے سے

---

[1] دھاوا محاورا ہے۔ دھاوا کرنا۔ دھاوا بولنا۔ [2] آج سے سات آٹھ سو برس پہلے نہ تار برقی تھا نہ لاسلکی، نہ ٹیلیفون، نہ ٹیلی ویژن نہ ریڈیو لیکن ہندوستان کے بیدار مغز سلطان نے، حالات سے واقف ہونے۔ دم بدم کی خبروں سے مطلع ہونے، اور انتہائی سرعت کے ساتھ نامہ و پیام کا سلسلہ قائم رکھنے کیلئے جو بندوبست کیا وہ اپنی مثال آپ ہے اس حُسنِ انتظام کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر پتہ بھی کھڑکتا تو سلطان کو فوراً خبر ہو جاتی تھی۔ اور جو خبر اس تک پہنچتی تھی۔ یا جو خبر کہیں پہنچانا چاہتا تھا چشم زدن میں پہونچ جاتی تھی۔ اس زمانہ میں پاسپورٹ، ویزا، اور غیر ملکی لوگوں کی نگرانی کا اتنا سائنٹفک انتظام نہیں تھا جتنا اب ہے ماننا پڑے گا کہ وہ قدامت آج کی جدت سے زیادہ کامیاب اور نتیجہ خیز تھی۔

ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے خاندان اور آبا و اجداد کا حال تو معلوم نہیں ہوتا۔ بادشاہ ہند ابو المجاہد محمد شاہ تغلق کی سرشت یہ ہے کہ وہ پردیسیوں سے غایت درجہ محبت اور تخصیص کا برتاؤ کرتا ہے۔ انہیں مراتب رفیعہ پر فائز کرتا ہے چنانچہ اس کے بڑے بڑے خواص اور حاجب اور وزیر اور قاضی اور داماد زیادہ تر غیر ملکی ہیں۔ اس کا حکم ہے کہ پردیسی کو ہمیشہ معزز طریقہ سے یاد کیا جائے۔ چنانچہ پردیسیوں کا نام ہی عزیز پڑ گیا۔ جو شخص بادشاہ کے سلام کو جاتا ہے۔ اس کے واسطے ہدایا لے جاتا ہے۔ اور چونکہ سب کو معلوم ہے کہ بادشاہ ان تحفوں سے دو چند سہ چند انعام دیتا ہے۔ اس لئے سندھ کے بعض تاجروں کا یہ پیشہ ہو گیا ہے۔ کہ وہ ایسے لوگوں کو ہزارہا دینار بطور قرض دے دیا کرتے ہیں۔ نیز خادموں، گھوڑوں اور سواری کا بندوبست کر دیتے ہیں اور چاکروں کی طرح اس کے سامنے حاضر رہتے ہیں۔ جب وہ بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوتا ہے اور انعام واکرام سے مالامال ہو کر واپس آتا ہے۔ تو سارا قرضہ بے باق کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ تاجر بہت نفع حاصل کرتے ہیں میں جب سندھ پہنچا تو میں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور تاجروں سے گھوڑے اور اونٹ اور غلام خریدے اور عراق کے ایک سوداگر محمد دوری سے جو تکریت[1] کا رہنے والا تھا شہر غزنی میں تیس گھوڑے اور ایک اونٹ جس پر تیروں کے پھل لدے ہوئے تھے خریدے کیونکہ ایسی ہی چیزیں بادشاہ کو نذر دی جایا کرتی ہیں۔ جب یہ خراسان سے واپس آیا تو مجھ سے اپنا قرض طلب کیا۔ اور بڑے نفع میں رہا۔ بلکہ میرے طفیل بہت بڑا تاجر بن گیا۔ یہ شخص حلب کے شہر میں بھی کئی برس کے بعد مجھے ملا۔ اور گو وہاں کے کافروں[2] نے میرے کپڑے تک چھین لئے تھے۔ لیکن اس نے میری بات بھی نہ پوچھی۔

ایک عجیب و غریب جانور گینڈا: گینڈے کا شکار

جب ہم نہر سندھ سے عبور کر کے ایک بانس کے جنگل میں داخل ہوئے جس سے راستہ گزرتا تھا تو ہم نے گینڈا دیکھا۔ کالے اور بھاری بھرکم ڈیل ڈول کا ہوتا ہے اس کا سر بہت بڑا ہوتا۔ کسی کا چھوٹا کسی کا بڑا۔ یہ ہاتھی سے چھوٹا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا سر ہاتھی کے سر سے کہیں بڑا ہوتا ہے اور دونوں آنکھوں کے برابر فاصلہ پر پیشانی پر ایک سینگ ہوتا ہے۔ جس کا طول تین ہاتھ اور موٹائی ایک بالشت ہوتی ہے جب یہ گینڈا جنگل سے نکلا تو ایک سوار اس کے سامنے آگیا۔ گینڈے نے گھوڑے کے سینگ مارا اور سوار

---

[1] بغداد کے قریب ایک مقام۔

[2] کروسیڈر (مجاہدین صلیب) کے کچھ جتھے بعض مقامات پر شام میں متصرف تھے۔

کی ران چیر کر اس کو زمین پر گرا کر جنگل میں گم ہوگیا۔ پھر اس کا پتہ کہیں نہ لگا۔ اسی رستہ میں عصر کے بعد ایک روز پھر میں نے گینڈا دیکھا وہ گھاس چر رہا تھا۔ ہم نے مارنے کا ارادہ کیا، لیکن بھاگ گیا۔ ایک دفعہ اور میں نے گینڈا دیکھا ہم بادشاہ کی سواری کے ساتھ تھے۔ بانس کے جنگل میں چلے جا رہے تھے اور بادشاہ ہاتھی پر سوار تھے اور میں بھی دوسرے ہاتھی پر تھا۔ سوار پیادے اسے گھیر کر لائے اور مار ڈالا اور سر کاٹ کر کیمپ میں لے آئے[1]۔

ہم دو منزل چلے تھے کہ جنانی[2] کا شہر آیا۔ یہ وسیع اور خوبصورت شہر دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے اس کے حدود درجے خوشنما ہیں۔ اس شہر میں سامرہ[3] کی قوم کے آدمی آباد ہیں اور قدیم سے آباد چلے آتے ہیں۔ مورخ کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کے وقت میں سندھ فتح ہوا تو اس قوم کے بزرگ اس شہر میں بستے تھے۔ شیخ رکن الدین بن شیخ شمس[4] الدین بن شیخ بہاؤ الحق ذکریا قریشی ملتانی مجھ سے ذکر کرتے تھے کہ ان کے جد اعلیٰ محمد ابن قاسم فاتح سندھ کے اس لشکر میں تھے۔ جو حجاج نے عراق سے بھیجا تھا۔ وہ اسی ملک میں رہ گئے تھے اور پھر ان کی اولاد بڑھ گئی[5]۔ یہ شیخ رکن الدین وہی ہیں جن کی بابت شیخ برہان الدین اعرج نے مجھ سے شہر اسکندریہ میں کہا تھا کہ تو ان سے ملے گا۔ سامرہ قوم کے لوگ کسی کے ساتھ نہیں کھاتے۔ اور جب وہ کھاتے ہیں تو کوئی ان کی طرف دیکھنے نہیں پاتا۔ اور نہ اپنی قوم کے سوا کسی کے ساتھ رشتہ کرتے ہیں۔ اس زمانے میں ان کا سردار ایک شخص دنار نامی تھا۔ اس کا حال میں آگے چل کر بیان کروں گا۔

---

[1] یہ جانور مختلف ممالک میں پایا جاتا ہے، نیپال کی ترائی میں بکثرت ہے، چاٹگام، برما اور افریقہ میں بھی پایا جاتا ہے، مختلف شہروں کے زندہ عجائب خانوں میں بھی نمونے کے طور پر ضرور موجود رہتا ہے۔ اس جانور کے اور خاص طور پر اس کے سینگ کے اثرات کے بارے میں طرح طرح کہانیاں مشہور ہیں جنھیں حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

[2] قدیم کتابوں میں اس شہر کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ ممکن ہے تلفظ کی غلطی نے اس کا حلیہ اتنا بگاڑ دیا ہو کہ اس کی شناخت ناممکن بن گئی۔

[3] غالباً یہی لوگ اب "سومرو" کہلاتے ہیں۔ یہ قوم اب بھی سندھ کی ایک معزز قوم مانی جاتی ہے۔

[4] یہ ابن بطوطہ کا سہو قلم ہے، اصل نام شمس الدین نہیں صدر الدین ہے۔

[5] گو کتب تاریخ سے اس دعوے کی توثیق نہیں ہوتی۔ لیکن اس خاندان کے ایک ثقہ شخص کا بیان ناقابل التفات بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔

شہر سہوان

رتن اور جام و نار کی خوں ریز جنگ

شہر جنانی سے چل کر ہم شہر سہوان[1] پہنچے یہ ایک بڑا شہر ہے اور ریگستان میں واقع ہے۔ جس میں کیکر کے درخت کے سوا کوئی درخت نہیں۔ نہر کے کنارے سوا خربوزوں کے اور کسی چیز کی کاشت نہیں ہوتی۔ اس شہر کے لوگ جوار اور جلبان جس کو مشنگ کہتے ہیں یعنی مٹر کابلی کی روٹی کھاتے ہیں مچھلی اس شہر میں بہت ہوتی ہے۔ اور بھینسوں کے دودھ کی بھی نہایت افراط ہے اس کے باشندے سقنقور یعنی ریگ ماہی بھی کھاتے ہیں یہ جانور گوہ کہ مشابہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے دم نہیں ہوتی۔ ریت میں سے کھود کر نکالتے ہیں۔ اور پیٹ چیر کر اور آلائش صاف کر کے بجائے زعفران کے کرکم (ہلدی) بھر دیتے ہیں۔ مجھے اس جانور کو کھاتے دیکھ کر گھن آگئی۔ اور میں نے اسے نہیں کھایا جب ہم اس شہر میں پہونچے تو گرمی نہایت سخت پڑتی تھی۔ میرے ہمراہی ننگے رہتے تھے اور ایک بڑا رومال پانی میں تر کر کے بجائے لنگی کے باندھ لیتے تھے۔ اور دوسرا کندھوں پر ڈال لیتے تھے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد جب یہ خشک ہو جاتے تو پھر تر کر لیتے اور اسی طرح کرتے رہتے۔ اس شہر کا خطیب شیبانی ہے۔ اس نے مجھے خلیفہ امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پروانہ دکھایا جو اس کے دادا کو خطیب ہونے کے وقت ملا تھا۔ یہ پروانہ ان کے خاندان میں وراثتاً چلا آتا ہے اس کی پیشانی پر یہ عبارت ہے هذا امر به عبد الله امير المومنين عمر بن عبد العزيز بفلاں اس کی تاریخ تحریر ۹۹ھ ہے اور الحمد لله وحده اس پر لکھا ہوا ہے۔ خطیب کہتا تھا کہ یہ الفاظ خود خلیفہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس شہر میں مجھے ایک عمر رسیدہ شیخ محمد بغدادی نام ملا اور یہ شیخ عثمان مرندی کے زاویہ میں رہتا ہے مجھے بتایا گیا کہ اس کی عمر ایک سو چالیس برس سے زیادہ ہے اور یہ خلیفہ مستعصم[2] باللہ کے

---

[1] سیوستان سے مراد سندھ کا ایک شہر سیہوان ہے جو کراچی سے تقریباً دو سو میل کی مسافت پر واقع ہے، شہباز قلندر کی خانقاہ، جو زیارت گاہ عام کی حیثیت رکھتی ہے یہیں ہے، منچھر جھیل اس سے بالکل قریب ہے۔ موسم برشگال میں اس کا طول بیس میل اور عرض دس میل ہو جاتا ہے یہ بہترین سیرگاہ اور شکارگاہ ہے اور اب حکومت پاکستان اسے ایک قابل دید مقام غیر ملکی سیاحوں کے لئے بنانے کی کوشش کر رہی ہے

[2] خاندان عباسیہ کا آخری خلیفہ جسے ابن علقمی کی غداری، نصیر الدین طوسی کی سازش، اور منصب پرستوں کی حرص و طمع نے ہلاکو خاں کیلئے ایک آسان شکار بنا دیا، سعدی شیرازی نے زوال بغداد اور مستعصم باللہ پر بڑا پرزور مرثیہ لکھا ہے جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قتل کے وقت جب اس کو ہلاکو خان بن چنگیز خان نے ہلاک کر ڈالا تھا۔ بغداد میں موجود تھا۔ یہ باوجود اس قدر عمر کے توانا و تندرست ہے اور بخوبی چل پھر سکتا ہے۔ اس شہر میں قوم سامرہ کا سردار ونار جس کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں رہتا تھا اور امیر قیصر رومی بھی یہیں رہا کرتا تھا۔ یہ دونوں بادشاہ کے ملازم تھے اور ان کے پاس اٹھارہ سو سواروں کی جمعیت رہا کرتی تھی ایک ہندو رتن نامی بھی اس شہر میں رہتا تھا۔ یہ شخص فن حساب اور کتابت میں استاد تھا کسی امیر کے وسیلہ سے بادشاہ تک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اس کی قدر کی اور اس کو یہاں کا حاکم بنا دیا۔ اور مرتبہ یعنی نوبت اور علم رکھنے کی اجازت دی جو بڑے بڑے امیروں کے لئے مخصوص تھی۔ سیوستان اور اس کے مضافات اس کو جاگیر میں بخش دیئے[1]۔ جب وہ اپنے شہر میں پہنچا تو ونار اور قیصر کو ایک ہندو کی اطاعت گراں گزری۔ انہوں نے اس کے قتل کا مشورہ کیا۔ اس کے آنے کے چند روز بعد اس سے کہا کہ آپ باہر نکل کر اپنا علاقہ ملاحظہ کر لیں۔ ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ چلا گیا۔ رات کو جب سب ڈیروں میں تھے یکایک شور پڑا کہ کوئی درندہ آگیا اور اس بہانہ سے ان کے آدمیوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور شہر میں آکر بادشاہی کے خزانہ کو جس میں بارہ لاکھ دینار تھے لوٹ لیا۔ دس ہزار طلائی ہندی دینار کے ایک لاکھ دینار ہوتے ہیں۔ اور ہندی طلائی دینار مغرب کے ڈھائی دینار طلائی کے مساوی ہوتا ہے۔ اور ونار[2] کو اپنا حاکم مقرر کیا۔ اس نے اپنا لقب ملک فیروز رکھا اور یہ سب خزانہ لشکر پر تقسیم کر دیا۔ لیکن پھر ونار کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ کیونکہ اس کا وطن اور قبیلہ وہاں سے دور تھا۔ وہ ساتھیوں کو لے کر اپنے قبیلہ کی طرف چلا گیا اور باقی لشکر نے قیصر رومی کو اپنا سردار مقرر کیا۔ اس سانحہ کی خبر سرتیز عماد الملک کو ملتان میں پہنچی۔ اس نے لشکر جمع کر کے خشکی اور تری دونوں راستوں سے آگے بڑھنا شروع کیا۔ قیصر بھی یہ سن کر مقابلہ آرا ہوا۔ جب اس کو شکست ہوئی تو شہر میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ سرتیز نے منجیق لگائی اور محاصرے میں سختی کی۔ چالیس دن بعد قیصر نے امان مانگی۔ لیکن

---

[1] اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد تغلق کس درجہ رواداراور غیر متعصب فرمانروا تھا، اس کی نگاہ میں ہندو اور مسلمان برابر تھے، اس نے رتن کو وہ مرتبہ بخشا، جو مسلمان امراء کے لئے باعث رشک و حسد بن گیا۔

[2] یہ سمیہ خاندان کا پہلا "جام" ہے اس کا سومرہ کے خاندان سے انتساب غلط فہمی یا سہو قلم کا نتیجہ ہے۔

سومرہ اور سمیہ دونوں خاندان سندھ کے بہت قدیم خاندان ہیں، قومی اور نسلی اعتبار سے یہ راجپوت تھے جیسے "جام صاحب لس بیلہ" اور "جام صاحب نوانگر"! ایک ہندو ایک مسلمان لیکن نسل دونوں کی ایک۔!

(رئیس احمد جعفری)

جب قیصر اور اس کا لشکر امان کے وعدہ پر باہر آگیا تو سرتیز نے ان کے ساتھ دغا کی۔ ان کی جائداد لوٹ لی۔ اور ان سب کو قتل کروا ڈالا۔ ہر روز کسی کی تو گردن مارتا تھا اور کسی کو تلوار سے دو ٹکڑے کرتا تھا۔ اور کسی کی کھال کھنچوا تا تھا۔ اور ان کھالوں میں بھوسہ بھروا کر ان کو شہر کی فصیل پر لٹکا تا جاتا تھا۔ اکثر کی یہی گت بنی۔ ان کی نعشیں لٹکی ہوئی دیکھ کر دل لرز تا تھا اور خوف آتا تھا۔ ان کی کھوپڑیاں جمع کر کے شہر کے وسط میں ڈھیر لگا دیا تھا۔ میں اس واقعہ کے بعد ہی اس شہر میں پہونچا اور ایک بڑے مدرسے میں اُترا۔ مدرسے کی چھت پر سویا کرتا تھا وہاں سے یہ نعشیں لٹکی ہوئی نظر آتی تھیں۔ جب صبح کو سوتا اُٹھتا تو یہ نعشیں دیکھ کر دل ہولتا۔ آخر میں نے مدرسے کو چھوڑ دیا۔

سندھ کی ایک قدیم بندرگاہ "لاہری"
ایک نامعلوم شہر کے کھنڈرات، کیا یہ دیبل تھا؟

قاضی علاو الملک فصیح الدین خراسانی، قاضی ہرات ایک فاضل شخص تھا۔ بادشاہ نے اسے لاہری کا حاکم بنا دیا۔ وہ بھی سرتیز کی مدد کو اپنا لشکر لے آیا۔ اس کا اسباب اور سامان بار برداری پندرہ بڑی کشتیوں میں تھا جو دریائے سندھ میں اپنے ہمراہ لایا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ لاہری جانے کا ارادہ کیا قاضی علاو الملک کے پاس بڑی کشتی تھی۔ جسے آہورہ کہتے ہیں۔ اس کے نصف حصہ کو سیڑھیاں بناکر اونچا کیا گیا تھا اور تختے لگا کر نشست کی جگہ بنائی گئی تھی۔ قاضی اس پر بیٹھا کرتا تھا اور اس کے لوگ دائیں بائیں اور سامنے بیٹھتے تھے۔ چالیس ملاح اس کشتی کو کھیتے تھے۔ چار چھوٹی کشتیاں اور تھیں۔ دو دائیں طرف رہتی تھیں دو بائیں طرف دو کشتیوں میں طبل اور نقارہ علم اور سرنائی وغیرہ ہوتے تھے اور دو کشتیوں میں اہل طرب بیٹھتے تھے۔ جب کشتی چلتی تھی۔ کبھی نوبت بجائی جاتی اور کبھی مطرب راگ گانے لگتے۔ اور صبح سے لے کر دوپہر تک گاتے بجاتے چلے جاتے تھے۔ جب کھانے کا وقت ہوتا تھا اور سب کشتیاں پہنچ جاتیں تو دسترخوان بچھایا جاتا تھا جب تک امیر علاو الملک کھانا کھاتے یہ لوگ گایا بجایا کرتے۔ اور آخر میں خود کھا کر اپنی اپنی کشتیوں میں چلے جاتے۔ جب رات ہوتی تو کشتیاں دریا کے کنارے کھڑی کر دی جاتیں اور خشکی پر خیمے لگا دیئے جاتے جہاں امیر علاو الملک شب باش ہوتا۔ جب سارا لشکر رات کا کھانا کھا چکتا تھا اور عشا کی نماز سے فارغ ہو جاتا تھا تو چوکیدار نوبت بہ نوبت آتے تھے۔ جب ایک چوکیدار اپنی باری ختم کر لیتا تھا تو وہ پکار کر کہتا۔ اے اخوند اتنی گھڑیاں رات گزر چکی ہے جب صبح ہوتی تو پھر نوبت اور نقارے بجنے شروع ہو جاتے۔

صبح کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا جاتا۔ کشتیاں چل پڑتیں۔ اگر امیر دربار میں چلنا چاہتا تھا تو کشتی میں بیٹھ جاتا۔ اگر خشکی کے راستے جانا منظور ہوتا تھا۔ تو سب سے آگے نوبت اور نقار خانہ ہوتا تھا۔ ان کے بعد حاجب اور حاجبوں کے آگے چھ گھوڑے ہوتے تھے۔ تین پر نقارے ہوتے۔ اور تین پر سرنا اور نفیری والے۔ جب کسی گاؤں میں پہنچتے تھے یا کسی اونچی زمین میں پہنچتے تو طبل اور نقارے بجاتے جاتے تھے اور جب دن کے کھانے کا وقت ہوتا تھا تو ٹھہر جاتے تھے۔ میں بھی امیر علاء الملک کے ساتھ پانچ مد دز یا پانچویں دن ہم لاہری پہنچے۔ یہ خوبصورت شہر سمندر کے کنارے واقع ہے۔ قریب ہی دریائے سندھ سمندر میں جا گرتا ہے۔ یہ شہر بڑی بندرگاہ ہے۔ یمن اور فارس کے جہاز اور تاجر بکثرت ہوتے ہیں اور اسی لئے یہ شہر نہایت مالدار ہے اور اس کا محاصل بھی زیادہ ہے۔ علاء الملک مجھ سے کہتے تھے کہ اس بندر کا محاصل ساٹھ لاکھ دینار[1] ہے اور امیر علاء الملک کو اس میں سے بیسواں حصہ ملتا ہے۔ یعنی عشر کا نصف اور اسی شرح پر بادشاہ اپنے کارداروں کو علاقے سپرد کیا کرتا تھا ایک روز میں امیر علاء الملک کے ساتھ سیر کرنے گیا۔ شہر سے سات کوس کے فاصلے پر ایک میدان ہے جس کو تارنا کہتے ہیں۔ وہاں بے شمار آدمیوں اور حیوانات کی سنگین مورتیں ثابت اور ٹوٹی پھوٹی پڑی ہوئی ہیں اور غلہ اور گیہوں اور چنا اور مسری وغیرہ پتھرائے ہوئے پڑے ہیں۔ فصیل اور مکانات کی دیواروں کے سامان موجود ہیں۔ کھنڈرات میں گھڑے ہوئے پتھر کا ایک گھر ہے۔ اس کے وسط میں ایک چبوترہ ہے جو ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اس پر ایک آدمی کا بت ہے۔ اس آدمی کا سر ذرا لمبا ہے اور منہ ایک طرف پھرا ہوا ہے۔ دونوں ہاتھ کمر سے کسے ہوئے ہیں۔ اس جگہ نہایت بدبودار پانی کھڑا ہوا تھا بہت سی دیواروں پر ہندی زبان اور خط کے کتبے۔ امیر علاء الملک ذکر کرتے تھے کہ اس ملک کے مورخ خیال کرتے ہیں کہ یہ شہر مسخ ہو گیا تھا اور چبوترہ پر جو بت ہے وہ بادشاہ کا تھا۔ چنانچہ اب بھی اس گھر کو راجہ کا محل کہتے ہیں۔ دیواروں کے کتبے سے پتہ لگتا ہے۔

---

[1] ابن بطوطہ کے زمانہ میں یہ مقام سندھ کا سب سے بڑا اور بارونق بندرگاہ تھا۔ آئین اکبری میں ابوالفضل نے بھی اسکا تذکرہ کیا ہے: بحری جنگی کے باعث اسکی آمدنی بھی بہت زیادہ تھی اب یہ کراچی کے ضلع میں ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے [2] بعض ثقہ قسم کے ماہرین آثار قدیمہ اس ویرانے کو مشہور تاریخی شہر دیبل بتاتے ہیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ دیبل کی جگہ اب تک متعین نہیں ہو سکی ہے۔ کچھ لوگ اس ویرانے کو دیبل قرار دیتے ہیں بعض کے نزدیک جزیرہ منوڑا (کراچی) دیبل تھا۔ لیکن جدید تحقیق پر قریب قریب اکثر کو اتفاق ہے کہ کراچی سے چند میل کے فاصلے پر بھمبور نام کا شہر جو کھدائی سے برآمد ہوا ہے۔ اور بالکل لب ساحل سمندر ہے یہی دیبل تھا میں نے یہ جگہ دیکھی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

یہ بربادی تقریباً ایک ہزار سال پہلے ہوئی تھی میں امیر علاء الملک کے پاس پانچ دن ٹھہرا اس نے میری خاطر و مدارات بدرجہ غایت کی۔ اور میرے لئے زاد راہ بھی تیار کرایا۔

بھکّر یا سکّھر؟
ایک قدیم، شاندار اور بارونق شہر

لاہری سے میں نے بھکّر کا رُخ کیا یہ بہت خوب صورت شہر ہے[1] دریائے سندھ کی ایک شاخ اس کے درمیان سے گزرتی ہے۔ شاخ کے وسط میں ایک خوب صورت زاویہ ہے[2]۔ جہاں ہر وارد و صادر کو کھانا ملتا ہے، اسے کشلو خاں نے تعمیر کیا تھا۔ یہاں میری ملاقات امام عبداللہ حنفی اور قاضی شہر ابو حنیفہ اور شمس الدین محمدؐ شیرازی سے ہوئی۔ شیخ شمس الدین کی عمر اُن کے بیان کے مطابق ایک سو بیس[120] سال تھی۔

---

[1] روہڑی اور سکھّر کے مابین دریائے سندھ کے وسط میں جس قلعہ کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہی بھکّر ——— جسے ابن بطوطہ "بکار" لکھتا ہے ——— کے نام سے معروف ہے۔ لیکن ابن بطوطہ جس شہر بھکّر کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ اس جگہ واقع تھا جہاں اب سکھّر ہے، یہیں میر محمدؐ معصوم بھکّری صاحب "تاریخ معصومی" کا مقبرہ بھی ہے۔ روہڑی پرانا شہر نہیں ہے، یہ ۱۲۹۷ھ میں بسا ہے۔

اس بات کا کہ ابن بطوطہ کے نزدیک بکھر اور سکھّر سے مراد ایک ہی شہر ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ وہ دریائے سندھ کی ایک شاخ کا درمیان شہر سے گزرنا بتاتا ہے جو سکھّر ہی ہے۔

[2] خانقاہ خواجہ خضر۔

جنوب کی طرف جو دوسرا جزیرہ "سادھو بیلہ" ہے، یہ ہندوؤں کا قدیم باعظمت مقام ہے۔ یہاں ایک مندر بھی ہے۔

ابوالفضل کے نزدیک بھکّر وہی ہے جو عربوں کا بسایا ہوا شہر منصورہ تھا، اس کے نزدیک قصبہ نصیر پور ——— حیدرآباد سندھ سے قریب ——— جہاں واقع ہے۔ یہیں منصورہ آباد تھا۔

اوچ

ایک قدیم اور تاریخی شہر کی زیارت

بھکر سے چل کر ہم اوچ آئے[1]۔ یہ شہر دریائے سندھ کے کنارے[2] واقع ہے۔ خاصا بڑا شہر ہے بازار بہت عمدہ اور عمارتیں مضبوط ہیں۔ ان دنوں حاکم شہر سید جلال الدین کیچی تھا جو شجاعت اور کرم میں مشہور تھا۔ بے چارہ یہیں بعد میں گھوڑے سے گر کر مر گیا، اس سے میری دوستی ہو گئی تھی اکثر صحبت رہا کرتی، دہلی میں بھی ہم دونوں ملے تھے اور جب بادشاہ دولت آباد کیطرف تشریف لے گئے تو مجھے ٹھہرنے کا حکم دیا سید جلال الدین اس کے ساتھ جا رہا تھا اس نے مجھ سے کہا سلطان کی غیبت طول کھینچے گی، آپ کو خرچ کی ضرورت ہوگی، لہذا میری واپسی تک میرے دیہات کی آمدنی خرچ کر لیا کیجئے[3]۔

چنانچہ میں نے پانچ ہزار دینار کے قریب اُس میں سے خرچ کیا[4]۔ اس شہر میں سید جلال الدین[5] حیدری علوی کی زیارت سے بھی مشرف ہوا۔ انہوں نے مجھے اپنا خرقہ عنایت کیا یہ بزرگان صالحین میں سے تھے، جب ہندو ڈاکوؤں نے سمندر میں مجھے لوٹ لیا اُس وقت یہ خرقہ بھی چھن گیا[6]۔

---

[1] ابن بطوطہ اسے "مدینہ اوجہ" یعنی شہر اوجہ کہتا ہے۔ [2] یہ بہت قدیم شہر ہے جسکا تاریخوں میں اکثر ذکر آتا ہے، ملتان سے تر میل کے فاصلہ پر پنج ند کے کنارے (سابق ریاست بہاول پور) آباد تھا،

پہلے پنجاب کے پانچوں دریا اور دریائے سندھ اوچ کے پاس ملتے تھے۔ اب ان کا سنگم چالیس میل نیچے مٹھن کوٹ میں ہوتا ہے۔

اوچ کی عظمت رفتہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سلطان ناصر الدین قباچہ کے عہد میں یہ سندھ کا پایۂ تخت تھا۔

حضرت سید جلال بخاری، اور حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت کے مزارات کا بابرکات یہیں ہیں۔

[3] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سندھی پر دیسیوں، مسافروں اور غریب الوطنوں کے ساتھ کس درجہ اپنایت، محبت، خلوص اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے۔ حاکم شہر جلال الدین کیچی کے نزدیک ابن بطوطہ صرف ایک اجنبی اور غیر ملکی، لیکن مسلمان سیاح تھا، جسکے حسب نسب، اور عادات واطوار سے اسے کوئی واقفیت نہ تھی، لیکن تغلق کی ہمرکابی کے وقت وہ اس اجنبی سیاح کو اجازت دے جاتا ہے کہ اسکے علاقہ سے جو آمدنی ہو بغیر تخصیص وتعیین وتحدید، جتنا چاہے خرچ کر ڈالے یہ بات، اور کہاں مل سکتی ہے؟ [4] یہ بے تکلفی قابل داد ہے۔ [5] جہانیاں جہاں گشت مراد ہیں۔ [6] سندھ کے ہندو لٹیرے سمندروں میں ڈاکہ ڈالنے میں طاق تھے۔

مُلتَان

ہندوؤں کا ایک مقدس ترین اور قدیم ترین شہر

اوچ میں کچھ عرصہ ٹھہر کر میں نے ملتان[1] کے لیے رختِ سفر باندھا، یہ شہر سندھ کا پایۂ تخت ہے۔ یہاں کا امیر الامرا بھی یہیں رہتا ہے شہر میں داخل ہونے سے پہلے دس کوس ورے ایک دریا عبور کرنا پڑتا ہے۔ یہ دریا بہت چھوٹا اور عمیق ہے اور بغیر کشتیوں کے عبور نہیں کر سکتے اس جگہ پار جانے والوں کے احوال کی تحقیقات ہوتی ہے اور اُن کے اسباب کی تلاشی ہوتی ہے۔ اُس زمانے میں اس جگہ ہر ایک تاجر سے ایک چوتھائی مال بطور محصول کے لے لیا کرتے تھے اور ہر گھوڑے پر سات دینار محصول لگتا تھا۔ میرے ہندوستان پہنچنے کے دو برس بعد بادشاہ نے یہ کل محاصل معاف کر دئے تھے[2] اور جب خلیفہ عباسی سے بیعت کی تو سوا عشر اور زکوٰۃ یعنی چالیسویں حصہ کے اور کوئی محصول باقی نہ رہا تھا[3]۔ مجھے تلاشی

---

[1] ہندوستان کے شہروں میں ملتان قدامت کے اعتبار سے ایک مرتبۂ خاص پر فائز ہے۔

[2] ۷۱۱ھ میں بڑے ڈرامائی طور پر محمد بن قاسم نے اسے فتح کیا۔ خلافت دمشق سے محمد بن قاسم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ مصارف جنگ وہ بیت المال کو بعد فتح ادا کر دیگا، لیکن چونکہ اسکی حکومت عدل و انصاف، اور خالص اسلامیت پر مبنی تھی، لہٰذا اہل سندھ سے وہ رقم نہ وصول کر سکا، ادھر خلیفہ کا حجاج سے اور حجاج کا محمد بن قاسم سے تقاضا بڑھتا گیا۔ محمد بن قاسم سخت پریشان تھا کہ کیا کرے؟ وہ بڑھتے بڑھتے ملتان تک چلا آیا تھا، کہ ایک ہندو نے رات کے وقت آکر اسے مندر کے خزانہ کا سراغ بتایا، یہاں اتنا سونا نکلا کہ نہ صرف مطلوبہ رقم ادا ہو گئی بلکہ بہت کچھ بچ بھی رہی۔ پھر عہد اسلامی میں یہ شہر برابر ترقی کرتا رہا، یہاں کی خاک پاک نے بڑے بڑے اولیاء، صلحاء اور علما کو اپنے دامن میں جگہ دی، کبھی یہ شہر ہندوؤں کا تیرتھ تھا، ایک بہت بڑے بت کا استھان تھا جسکی پوجا کیلئے ہر گوشۂ ملک سے ہندو آتے تھے۔ پھر یہ اسلامی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ بن گیا۔

اس شہر نے بڑے بڑے انقلابات دیکھے۔ ہندوستان پر تاتاریوں کی یورش اسی طرف سے ہوتی تھی اور ہمیشہ انہیں منہ توڑ جواب ملتا تھا تاتاریوں نے ساری دنیا کو روند ڈالا، بغداد تک کو ختم کر دیا، بلخ، بدخشاں، ترنیشاپور، اور بہت سے شہر اجاڑ دیئے، لیکن ہندوستان کی مسلمان حکومت کو زیر و زبر نہ کر سکے، وہ ہمیشہ انہیں پسپا کرتی رہی۔ شہاب الدین غوری کے حملہ کیوقت اس شہر پر قرامطہ کی حکومت تھی، یہ ہمیشہ ہندوؤں سے ساز باز کرکے مسلمان کیخلاف مصروف سازش رہتے تھے غوری نے انکی سرکوبی میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا، پھر اس پر سکھوں نے قبضہ کر لیا، انگریزوں نے سکھوں سے لیا تو اسکے حال پر چھوڑ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ملتان کا مذاق اڑانے لگے، ے چار چیزاست تحفۂ ملتان بہ گرد، گرما، گدا، و گورستان۔ [3] یہ تغلق گو مزاج کا سخت تھا لیکن رحم و کرم کے مظاہرے میں بھی کوئی اُسکا ہمسر نہ تھا ۔ گویا خالص اسلامی نظام پر عمل کرنے لگا۔ (رئیس احمد جعفری)

کی بہت فکر تھی کیونکہ میرا ساز و سامان بظاہر بہت معلوم ہوتا تھا۔ اور اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھے خوف تھا کہیں سارا بھرم نہ کھل جائے لیکن قطب الملک نے ملتان سے ایک فوج کے افسر کو بھیج دیا تھا اور اُسے ہدایت کر دی تھی کہ میری تلاشی کوئی شخص نہ لے، چنانچہ ایسا ہی ہوا میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

اُس رات ہم دریا کے کنارے ٹھہرے علی الصباح میرے پاس دہقان سمرقندی جو ڈاک کا افسر اور بادشاہ کا پرچہ نویس تھا۔ آیا میں نے اُس سے ملاقات کی اور اُس کے ہمراہ حاکم ملتان کے پاس گیا، ملتان کا حاکم قطب الملک تھا یہ شخص بڑا امیر اور فاضل تھا۔ جب میں حاضر ہوا تو میری تعظیم کے لئے اُٹھا اور مصافحہ کر کے اپنی برابر جگہ دی میں نے ایک غلام اور گھوڑا اور کشمش اور بادام تحفہ کے پیش کیے کشمش اور بادام اس ملک میں نہیں ہوتے اور تحفے کے طور پر دیے جاتے ہیں۔ اور خراسان سے آتے ہیں۔ یہ ایک بڑے چبوترے پر بیٹھا تھا، جس پر فرش بچھا ہوا تھا اور پاس ہی شہر کا قاضی سالار اور شہر کا خطیب جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا بیٹھے ہوئے تھے دائیں بائیں فوج کے افسر تھے اور اُس کے سر پر مسلح آدمی کھڑے تھے سامنے سے لشکر گزرتا جاتا تھا۔

فوجی سپاہیوں کے کرتب، دلاوری اور بہادری کے مظاہرے

اس جگہ بہت سی کمانیں پڑی تھیں جو تیر اندازی کا کمال دکھانا چاہتا وہ اپنی طاقت کے مطابق کسی کمان کو ہاتھ میں لے کر کھینچتا اور اگر اپنی سواری کا کمال دکھانا چاہتا تو ایک چھوٹا نقارہ دیوار میں لگا ہوا تھا۔ وہ اپنا گھوڑا دوڑا کر اپنا نیزہ اُس میں لگاتا تھا اور چھوٹی سی دیوار پر ایک انگشتری لگی ہوئی تھی سوار اپنا گھوڑا دوڑا کر نیزے کی انی میں پرو کر انگشتری لے جاتا تھا اور ایک گیند بھی پڑی ہوئی تھی سوار گھوڑا دوڑا کر اُس پر چوگان لگاتا تھا جس قدر کمال کوئی ان کھیلوں میں دکھاتا تھا اُسی قدر اُس کے عہدے میں ترقی ہوتی تھی۔

شہنشاہ محمد تغلق کی سلک ملازمت میں داخل ہونے کے لیے اکابر کا ھجوم

جب ہم قطب الملک کے پاس گئے تو اس کو سلام کیا تو اُس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم شہر میں شیخ رکن الدین قریشی کے متعلقین کے ساتھ قیام کریں اور اُن کی یہ عادت تھی کہ وہ بغیر حاکم کی اجازت کے کسی کو اپنے پاس بطور مہمان کے ٹھہرنے نہ دیتے تھے اس شہر میں اور بھی بہت سے بزرگ آئے ہوئے تھے جو بادشاہ کی ملازمت کے لئے دہلی جا رہے تھے ان میں سے خداوند زادہ قوام الدین قاضی ترمذ (مع اپنے خاندان

اور بیٹوں کے) اور اُس کے بھائی عماد الدین و ضیاء الدین و برہان الدین اور مبارک شاہ سمر قند کا ایک رئیس اور ارن بغا بخارا کا ایک رئیس اور ملک زادہ جو خداوند زادہ قوام الدین کا بھانجا تھا اور بدر الدین فصال تھے اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ اُس کے دوست اور خادم اور متعلقین تھے۔

ملتان پہنچنے کے دو مہینے کے بعد بادشاہ کا ایک حاجب پوشنجی نام اور ملک محمد ہروی کوتوال آئے وہ خداوند زادہ قوام الدین کے استقبال کے لیے آئے تھے، اُن کے ساتھ تین غلام تھے ان کو مخدومہ جہاں بادشاہ کی والدہ نے خداوند زادہ کی زوجہ کے استقبال کے واسطے روانہ کیا تھا یہ لوگ خداوند زادہ اور اُن کی اولاد کے لیے خلعت بھی لائے تھے۔ میں نے کہا کہ میرا ارادہ اخوند عالم یعنی بادشاہ کی ملازمت کرنے کا ہے۔ بادشاہوں کو یہاں کے لوگ اخوند عالم کہتے ہیں بادشاہ کا یہ حکم تھا کہ اگر کوئی شخص خراسان کی طرف سے آئے، اور اس کا ارادہ اس ملک میں ٹھیرنے کا نہ ہو تو اُس کو آگے نہ آنے دیں جب میں نے کہا کہ میرا ارادہ اس ملک میں ٹھیرنے کا ہے تو قاضی اور گواہ طلب کئے گئے اور میرے دستخط ایک عہد نامے پر کرائے گئے میرے ساتھیوں میں سے بعض نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اور میں نے سفر کی تیاری کی، ملتان سے دہلی چالیس روز کے راستہ پر ہے۔ برابر آبادی چلی جاتی ہے۔

آداب طعام، دسترخوان کی وسعت، رنگارنگ کھانے

صاحب اور اُس کے ساتھیوں نے خداوند زادہ قوام الدین کی ضیافت کا انتظام ملتان سے کر لیا اور بیس باورچی ساتھ لیے یہ حاجب ایک منزل آگے چلتا تھا اور منزل پر پہنچنے سے پہلے خداوند زادہ کے لئے انتظام کھانے کا کر چھوڑتا تھا۔ جس قدر اشخاص کا میں نے ذکر کیا وہ علیحدہ علیحدہ خیموں میں ٹھیرتے تھے لیکن کھانا خداوند کے ساتھ دسترخوان پر کھاتے تھے میں فقط ایک دفعہ اُن کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا تھا اس ترتیب سے کھانا لاتے تھے پہلے روٹیاں لاتے ہیں جو نہایت پتلی چپاتیاں ہوتی ہیں بکری کو بھون لیتے ہیں۔ اور اُس کے چار یا چھ ٹکڑے کر کے ایک ایک آدمی کے سامنے رکھتے ہیں پھر گھی میں تلی ہوئی روٹیاں لاتے ہیں جس کے بیچ میں حلوا صابونیہ بھرا ہوا ہوتا ہے اور ہر ایک ٹکیا کے اوپر ایک میٹھی روٹی رکھتے تھے جس کو خشتی کہتے ہیں اور اُس کو آٹے اور شکر اور گھی سے بناتے ہیں پھر ایک چیز لاتے ہیں جس کو سموسہ کہتے ہیں اور وہ قیمہ کیا ہوا گوشت ہوتا ہے اس میں بادام اور جائفل اور پستہ اور پیاز اور گرم مصالحہ ڈال کر پتلی چپاتیوں میں لپیٹ دیتے ہیں اور پھر گھی میں تل لیتے ہیں ہر ایک شخص کے سامنے پانچ یا چار سموسہ رکھتے ہیں پھر چاول گھی میں پکے ہوئے لاتے ہیں اور اُس کے اوپر گھی ہوتا ہے۔

پھر نقیمات[1] القاضی لاتے ہیں اُس کو ہاشمی بھی کہتے ہیں۔ پھر قایہ لاتے ہیں۔ حاجب کھانا شروع کرنے سے پہلے دسترخوان پر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ اور سب حاضرین بادشاہ کی تعظیم کرتے ہیں اور تعظیم ان کے ملک میں یہ ہے کہ سر کو رکوع کی طرح نیچے جھکاتے ہیں۔ جب یہ کر چکتے ہیں تو دسترخوان پر بیٹھتے ہیں اور کھانا شروع کرنے سے پہلے چاندی اور سونے اور کانچ کے پیالوں میں مصری اور گلاب کا شربت پیتے ہیں۔ جب شربت پی چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے اُس وقت سب کھانا شروع کرتے ہیں کھانا ختم ہونے پر فقاع[2] کے پیالے آتے ہیں اور جب فقاع پی چکتے ہیں تو پان سپاری آتا ہے۔ جب پان چھالیہ لے چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے سب اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جیسی کھانے سے پہلے تعظیم کی تھی اُسی طرح پھر کرتے ہیں۔ اور پھر دسترخوان سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔

مُلتان سے دہلی کی طرف کوچ

شہر ابوھر، آم کی تعریف

ھندوستان کے دوسرے پھل اور میوے

ملتان سے روانہ ہونے کے بعد سب سے پہلے جس شہر میں ہم وارد ہوئے یہ ابوہر تھا، یہ بلاد ہند کا پہلا شہر ہے، چھوٹا سا، لیکن بہت خوب صورت، ابوہر[3] میں عمارتیں وافر اور انہار و اشجار بکثرت ہیں، ہمارے ہاں کے درختوں میں سے سوا بیر کے اور کوئی درخت نہیں ہوتا۔ یہاں کا بیر ہمارے ملک کے بیر سے بڑا اور نہایت شیریں ہوتا ہے اور مازو کے دانہ کے برابر ہوتا ہے۔

---

[1] یہ دہی چیز معلوم ہوتی ہے جسے حیدرآباد وغیرہ میں "لقمی" کہتے ہیں۔

[2] ایک طرح کی نبیذ، جس سے سرور آتا ہے، نشہ نہیں ہوتا۔

[3] یہ شہر اب وہ نہیں جو پہلے تھا لیکن موجود ہے پاک پٹن اور سرسہ کے راستے پر فیروزپور کی تحصیل فاضلکا میں واقع ہے (رئیس احمد جعفری)

آم، آم کا اچار، کٹھل، کیسرا، اور جامن وغیرہ کا ذکر

ہندوستان میں ایک میوہ انبہ ہوتا ہے اُس کا درخت نارنگی کے درخت سے مشابہ ہوتا ہے لیکن اُس سے بڑا اور پتے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ سایہ بھی نہایت گھنا ہوتا ہے لیکن جو شخص اس کے سایہ میں سوتا ہے کسلمند ہو جاتا ہے اور اُس کا پھل آلو بخارے سے بڑا ہوتا ہے۔ پختہ ہونے سے پہلے سبز ہوتا ہے اور جب گر پڑتا ہے۔ تو اُس میں نمک ڈال کر اچار بناتے ہیں اُسی طرح جیسے کہ ہمارے ملک میں لیمو اور کھٹے کا اچار بناتے ہیں۔ ادرک اور مرچ کا بھی اچار بناتے ہیں اور کھانے کے ساتھ کھاتے ہیں اور ہر نوالے کے پیچھے تھوڑا سا اچار کھا لیتے ہیں جب خریف کے موسم میں آم پکتا ہے تو زرد رنگ کا ہو جاتا ہے اور اُس کو سیب کی طرح کھاتے ہیں بعضے اُس کو تراش کر کھاتے ہیں، اور بعضے چوستے ہیں اُس میں شیرینی کے ساتھ کچھ ترشی ہوتی ہے گٹھلی بڑی نکلتی ہے اور گٹھلی کو بوتے ہیں تو درخت ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ کھٹے کے بیج بوتے ہیں۔

شکی[1] و برکی (کٹھل) اس کا درخت بڑا ہوتا ہے اور پتے اخروٹ کے پتوں سے مشابہ ہوتے ہیں اور پھل درخت کی جڑ میں لگتا ہے جو پھل زمین کے متصل ہوتا ہے اُس کو برکی کہتے ہیں وہ شیرینی میں زیادہ ہوتا ہے اور ذائقے میں اچھا ہوتا ہے اور جو اُوپر لگتا ہے اُس کو چکی کہتے ہیں۔ اُس کا پھل بڑے کدو کے مشابہ ہوتا ہے اور چھلکا گائے کی کھال کی مانند ہوتا ہے جب خریف کے موسم میں یہ بہت زرد ہو جاتا ہے۔ تو اُس کو توڑتے ہیں اور جب چیرتے ہیں تو ہر ایک دانے میں سو یا دو سو کوئے کھیروں کی شکل کے نکلتے ہیں اور کویوں کے بیچ میں ایک جھلی زرد رنگ کی ہوتی ہے، ہر ایک کوئے میں گٹھلی ہوتی ہے۔ جو باقلہ کے مشابہ ہوتی ہے ان گٹھلیوں کو بھون کر کھاتے ہیں یا پکا کر کھاتے ہیں تو اُس کا مزہ باقلہ کی طرح ہوتا ہے۔ باقلہ اس ملک میں نہیں ہوتا سُرخ مٹی میں ان گٹھلیوں کو دبا دیتے ہیں تو دوسرے سال تک رہ سکتی ہیں یہ میوہ ہندوستان کے نہایت عمدہ میووں میں سے ایک ہے۔

تیندو آبنوس کے درخت کا پھل ہے۔ اُس کا پھل خوبانی کے برابر ہوتا ہے اور رنگ بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔ شیریں بہت ہوتا ہے۔

---

[1] یعنی چکی، یعنی کٹھل،

جمو (جامن) اس کا درخت بڑا ہوتا ہے۔ اُس کا پھل زیتوں کے پھل کے مشابہ ہوتا ہے لیکن رنگ میں سیاہی مائل ہوتا ہے اور زیتون کی طرح اُس کے اندر ایک گٹھلی ہوتی ہے۔

شیریں نارنج اِس ملک میں بکثرت ہوتا ہے۔ لیکن ترش نارنج بہت کم ہوتا ہے۔ ایک قسم کا شیریں ترش بھی ہوتا ہے وہ مجھے بہت خوش ذائقہ معلوم ہوتا تھا اور میں اسے بڑے شوق سے کھایا کرتا تھا۔

مہوا۔ اس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے۔ پتّے اخروٹ کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن سرخی و زردی مائل اُس کا پھل بھی چھوٹے آلو بخارے کی مانند ہوتا ہے۔ اور نہایت شیریں ہوتا ہے اور ہر ایک دانہ کے منہ پر ایک اور چھوٹا دانہ ہوتا ہے۔ جو کشمش کے مشابہ ہوتا ہے اور بیچ میں سے خالی ہوتا ہے اور اُس کا ذائقہ انگور کی مانند ہوتا ہے لیکن زیادہ کھانے سے سر میں درد ہو جاتا ہے خشک کیا ہوا مزہ میں انجیر کی مانند ہوتا ہے۔ اور میں انجیر کی بجائے اُس کو کھایا کرتا تھا۔ انجیر اس ملک میں نہیں ہوتا ہے۔ مہوے کے منہ پر جو دوسرا دانہ ہوتا ہے اُس کو بھی انگور کہتے ہیں۔ انگور ہندوستان میں بہت کم ہوتا ہے۔ دہلی میں اور بعض اور جگہ بھی ہوتا ہے اور مہوے کے سال میں دو دفعہ پھل لگتا ہے۔ اُس کی گٹھلی کا تیل نکالتے ہیں اور چراغوں میں جلاتے ہیں۔

کسیرا (کیسرو) اس کو زمین سے کھود کر نکالتے ہیں قسطل سے مشابہ ہوتا ہے اور نہایت شیریں ہوتا ہے۔

ہمارے ملک کے پھلوں میں سے انار ہندوستان میں بھی ہوتا ہے اور سال میں دو دفعہ پھل دیتا ہے۔ جزیرہ ذیبۃ المہل (جزائر مالدیپ) میں میں نے دیکھا کہ انار بارہ مہینے پھل دیتا ہے۔

اناج اور غلّہ، ماش، مونگ، لوبیا، موٹھ، کودوں وغیرہ

ہندوستان میں سال میں دو دفعہ فصل ہوتی ہے۔ جب گرمی میں بارش ہوتی ہے تو خریف کی فصل بوتے ہیں اور ساٹھ دن کے بعد اُس کو کاٹ لیتے ہیں۔ خریف کے غلّوں میں غلّہ ہائے ذیل بھی ہوتے ہیں۔ کُذرو (کودوں) چینہ۔ شاماخ (یعنی سانوک) جو چینہ سے چھوٹا ہوتا ہے اکثر عابد اور زاہد اور فقیر اور مساکین اُس کو کھاتے ہیں، خودرو بھی ہوتا ہے۔ ایک ہاتھ میں چھاج لے لیتے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں ایک چھوٹی چھڑی سے درخت کو جھاڑتے ہیں تو سانوک کے دانے چھاج میں گرتے جاتے

ہیں اور یہ دانے بہت چھوٹے ہوتے ہیں دھوپ میں اُس کو خشک کرتے ہیں اور کاٹھ کی اوکھلیوں میں کوٹ کر چھلکا علیحدہ کر لیتے ہیں تو سفید دانہ اندر سے نکلتا ہے۔ بھینس کے دودھ میں اُس کی کھیر پکاتے ہیں جو اُس کی روٹی کی نسبت زیادہ لذیذ ہوتی ہے، میں اکثر کھیر پکا کر کھایا کرتا۔ اور مجھے بڑے مزے کی معلوم ہوتی تھی۔

ماش مٹر کی ایک قسم ہے۔ مونگ یہ ماش کی ایک قسم ہے لیکن شکل میں ذرا لمبی اور رنگ کی سبز ہوتی ہے مونگ اور چاول ملا کر ایک کھانا جس کو کشری (کھچڑی) کہتے ہیں پکاتے ہیں اور اُس کو گھی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ کشتری صبح کو بطور نہاری کے کھاتے ہیں جیسے کہ ہمارے ملک میں حریرہ۔ لوبیا یعنی چولا۔ یہ بھی ایک قسم کا باقلہ ہے۔ موٹھ یہ اناج کدور کی مانند ہوتا ہے لیکن دانہ اُس سے چھوٹا اور گھوڑے اور بیلوں کو دانہ کی جگہ دیتے ہیں۔ اور اس کام کے لئے چنا بھی استعمال کرتے ہیں۔ جَو میں طاقت کم ہوتی ہے اور چنے اور موٹھ کا دانہ دلتے ہیں اور پھر پانی میں بھگو کر گھوڑے کو کھلاتے ہیں اور گھوڑے کو خوید سبز کاٹ کر کھلاتے ہیں۔ جس سے وہ موٹے ہو جاتے ہیں۔ پہلے دس دن اُس کو گھی پلاتے ہیں۔ بعضے تین رطل اور بعضے چار رطل اور اس عرصہ میں سواری نہیں لیتے پھر ایک ماہ سبز ماش کھلاتے ہیں۔ یہ سب خریف کے اناج تھے۔ خریف کی فصل بونے کے ساٹھ دن بعد ربیع کے اناج بونے شروع کرتے ہیں جیسے کہ گندم اور نخود اور مسری اور جَو۔ زمین سب اچھی اور زرخیز ہے۔ چنانچہ چاول سال میں تین دفعہ بوتے ہیں اور چاولوں کی پیدائش سب غلوں سے زیادہ ہوتی ہے تل اور نیشکر بھی خریف کے ساتھ بوتے ہیں۔

ہندو رہزنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کی داستان

شہر ابوہر سے چل کر ہمارا گزر ایک صحرا میں ہوا جس کی مسافت ایک دن کی ہے اُسکے کناروں پر بڑے بڑے پہاڑ تھے اور اُن دشوار گذار پہاڑوں میں ہندو رہتے ہیں اور اکثر رہزن ہوتے ہیں ہندوؤں میں سے اکثر رعیت ہیں جو بادشاہ کی حمایت میں دیہات میں بستے ہیں ان کا حاکم مسلمان ہوتا ہے اور اُس حاکم کا افسر عامل یا جاگیر دار ہوتا ہے جس کی جاگیر میں وہ شہر یا گاؤں ہوتا ہے بعضے ہندو نافرمان ہوتے ہیں جو بادشاہ سے لڑتے رہتے ہیں اور یہ یا تو پہاڑوں میں رہتے ہیں اور یا رہزنی کرتے ہیں جب ہم ابوہر سے چلے دوسرے لوگ تو صبح ہی صبح چل دیے اور میں اور چند آدمی دوپہر تک وہیں رہے۔ اور دوپہر کے بعد وہاں سے چلے۔ ہم بائیس سوار تھے۔ جن میں عربی اور عجمی دونوں تھے ہم پر اسی ہندوؤں اور دو سواروں نے حملہ کیا۔ میرے ہمراہی سب کے سب اچھے جوان اور بہادر تھے

خوب لڑائی ہوئی ہم نے بارہ آدمیوں اور ایک سوار کو قتل کیا اور اُس کا گھوڑا پکڑ لیا مجھے اور میرے گھوڑے کو تیر کا زخم لگا لیکن خدا نے بچا لیا۔ کیونکہ اُن کے تیر بہت کمزور ہوتے ہیں ہم میں سے ایک کا گھوڑا زخمی ہوا اُس کو ہم نے مقتول کا گھوڑا دے دیا اور زخمی گھوڑے کو ذبح کر لیا جو ترک ہمارے ساتھ تھے وہ اس کو کھا گئے اور مقتولوں کے سر کاٹ کر ہم ابی بکھر کے قلعہ میں لے گئے اور وہاں فصیل پر لٹکا دیئے ابی بکھر ہم آدھی رات کو پہنچے اور اُس سے سفر کر کے دو دن بعد اجودھن میں داخل ہو گئے۔

اجودھن یعنی پاک پٹن

حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا شہر

اجودھن[1] یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یہ شہر شیخ فریدالدین بدایونی کا ہے شیخ برہان الدین اسکندری نے چلتے وقت کہا تھا کہ تیری ملاقات شیخ فریدالدین سے ہوگی چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ میں اُن سے[2] ملا۔ وہ بادشاہ ہند کے پیر ہیں اور اُس نے ان کو یہ شہر انعام میں بخشا ہے، شیخ پر وہم بدرجہ غایت غالب ہے یہاں تک کہ نہ کسی سے مصافحہ کرتے ہیں، نہ کسی کے قریب ہوتے ہیں اگر اُن کا کپڑا کسی کے کپڑے سے مس ہو جاتا ہے تو اسے دھو ڈالتے ہیں۔ میں اُن کی خانقاہ میں گیا اور اُن سے ملاقات کر کے شیخ برہان الدین کا سلام اُن کو پہنچایا یہ سُن کر انہوں نے تعجب کیا اور کہا کسی اور کو سلام کہا ہوگا۔ ان کے دونوں بیٹوں سے میں نے ملاقات کی دونوں عالم و فاضل تھے ایک کا نام معزالدین تھا۔ اور دوسرے کا نام علم الدین۔ معزالدین بڑا تھا

---

[1] پاک پٹن شریف کا قدیم نام اجودھن ہے، پہلے اس کا نام "پٹن فرید" پڑا، پھر شہنشاہ اکبر نے اسے "پاک پٹن" کا نام دیا۔ بہت بڑی زیارت گاہ ہے، ہر سال عرس میں لاکھوں آدمی شریک ہوتے ہیں، یہ منٹگمری کے ضلع میں ہے۔

[2] یہ ابن بطوطہ کا سہو ہے درحقیقت وہ حضرت شیخ علاءالدین موج دریا سے ملا تھا۔ جو بابا فرید شکر گنج کے پوتے اور شہنشاہ محمد تغلق کے مرشد تھے، معزالدین اور علم الدین انہی کے صاحبزادے تھے۔

اور اپنے باپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوا تھا ان کے دادا شیخ فرید الدین بدایونی کی قبر کی بھی میں نے زیارت کی، بدایوں سنبھل کے علاقہ میں ایک شہر ہے جب میں اِس شہر سے رخصت ہونے لگا تو علم الدین نے کہا آپ میرے والد سے مِل لیں۔ وہ اُس وقت سب سے اونچی چھت پر تھے اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ایک بڑا عمامہ باندھا ہوا تھا اور اُس کا شملہ ایک طرف لٹکا ہوا تھا انہوں نے میرے واسطے دعا کی اور میرے پاس مصری اور شکر ہدیہ بھیجی۔

ستی کی رسم کا دِل خراش منظر، میں بیہوش ہوگیا

میں شیخ صاحب کی زیارت سے واپس آتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ ہمارے خیمہ گاہ کی جانب سے بھاگے ہوئے چلے آتے ہیں اور اُن میں بعضے ہمارے آدمی بھی ہیں۔ میں نے پُوچھا کہ کیا ماجرا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ایک ہندو مرگیا تھا اسے جلانے کے واسطے چِتا تیار کی گئی ہے اُس میں اُس کی بیوی بھی ساتھ جلے گی۔ جب وہ دونوں جل چکے تو ہمارے ہمراہی واپس آئے کہتے تھے کہ عورت میت کے ساتھ چمٹ کر جل گئی۔ ایک اور دفعہ میں نے دیکھا کہ ایک ہندو عورت بناؤ سنگار کئے ہوئے جارہی تھی اور ہندو مسلمان[1] اُس کے پیچھے پیچھے تھے آگے آگے توبت بجتی جاتی تھی اور برہمن ساتھ ساتھ تھے چونکہ بادشاہ کا علاقہ تھا اس لیے بادشاہ کی اجازت بغیر وہ جلا نہ سکتے تھے۔ بادشاہ نے جلانے کی اجازت دے دی اُس کے بعد جلایا[2]۔ پھر کچھ مُدّت کے بعد یہ اتفاق ہوا کہ میں ایک شہر میں تھا جس کے اکثر باشندے ہندو تھے اور جس کا نام ابرہی تھا۔ اس کا حاکم سامرہ قوم کا مُسلمان تھا۔ اُس کے نواح میں نافرمان ہندو رہتے تھے ایک دفعہ انہوں نے رہزنی کی تو امیر ہندو مسلمانوں کو ساتھ لے کر اُن سے لڑنے گیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی اور سات ہندو رعیت مارے گئے اُن میں سے تین شادی شدہ تھے، ان کی بیویوں نے ستی ہونے کا ارادہ کیا۔

ستی ہونا ہندوؤں میں واجب نہیں ہے[3]۔ لیکن جو رانڈیں اپنے خاوند کے ساتھ جل جاتی ہیں۔ اُن کا خاندان معزز گنا جاتا ہے اور وہ خود اہل وفا گنی جاتی ہیں۔ اور جو رانڈیں ستی نہیں ہوتیں اُن کو

---

[1] اس رسم کی عظمت نفسیاتی طور پر مُسلمانوں کے دل میں بھی جاگزین ہو گئی تھی،

[2] اس وقت تک اس رسم کی ممانعت نہیں ہوئی تھی، یہ کام اکبر نے کیا۔

[3] لیکن بیوہ عورت کی زندگی اس درجہ اجیرن ہو جاتی تھی کہ جل مرنے کے سوا اس کے لئے کوئی اور چارہ کار نہ تھا۔

موٹے کپڑے پہننے پڑتے ہیں اور طرح طرح کی خواری میں زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ اور اُن کو اہلِ وفا بھی نہیں سمجھتے[1] لیکن کسی کو ستی ہونے پر مجبور نہیں کیا جاتا[2] جن تین بیواؤں نے ستی ہونے کا ارادہ کیا تھا وہ تین دن پہلے گانے بجانے اور کھانے میں مشغول ہوگئیں۔ اُن کے پاس ہر طرف سے عورتیں آتی تھیں اور چوتھے دن صبح کو اُن کے پاس ایک ایک گھوڑا لائے اور ہر بیوہ بناؤ سنگار کر کے اور خوش بو لگا کر اُس پر سوار ہوئی اُس کے دائیں ہاتھ میں ناریل تھا۔ جس کو اُچھالتی جاتی تھی اور بائیں ہاتھ میں آئینہ تھا اس میں منہ دیکھتی جاتی تھی۔ برہمن اُس کے گرد جمع تھے اور اُسکے رشتہ دار اُس کے ساتھ تھے آگے آگے نقارے اور نوبت بجتی جاتی تھی ہر ایک ہندو اُسے کہتا تھا کہ میرا سلام میرے ماں باپ یا بھائی یا دوست کو کہنا اور وہ کہتی تھی اچھا اور ہنستی جاتی تھی[3]

میں بھی اپنے دوستوں کو ساتھ لے کر اُن کے جلنے کی کیفیت دیکھنے گیا۔ ہم اُن کے ساتھ تین کوس گئے اور ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی بکثرت تھا اور درختوں کی کثرت سے اندھیرا ہو رہا تھا بیچ میں چار گنبد تھے۔ ہر گنبد میں ایک ایک بُت تھا۔ اور گنبد کے بیچ میں پانی کا حوض تھا۔ اُس پر درختوں کے سایہ کے سبب سے دھوپ نہ پڑھتی تھی۔ تاریکی میں یہ جگہ گویا جہنم کا ٹکڑا تھا۔ جب یہ عورتیں ان گنبدوں کے پاس پہنچیں تو حوض میں اُتر کر اُنھوں نے غسل کیا اور حوض میں غوطہ لگایا اور اپنے کپڑے اور زیورات

---

[1] یہی طعنے اسے جل مرنے پر مجبور کر دیتے تھے۔

[2] ابوالفضل نے ستی کی پانچ صورتیں لکھی ہیں :۔

الف :۔ شوہر کے غم میں عورت بیہوش ہو جاتی ہے، اسی حالت بیہوشی میں رشتے دار اسے نذر آتش کر دیتے تھے۔

ب :۔ شوہر سے غیر معمولی محبت کے باعث ارادۃً جل مرتی تھی۔

ج :۔ شرما شرمی جل مرنا پسند کرتی تھی، کہ عزیزوں اور رشتے داروں کی طنز اور نفرت سے بھری ہوئی آنکھوں اور باتوں کا مقابلہ کرنا اس کے بس میں نہ تھا۔

د :۔ رسم و رواج کے باعث جل مرنے پر مجبور تھی۔

ہ :۔ خاوند کے ورثاء عورت کی رضامندی حاصل کیے بغیر اسے آگ میں جھونک دیتے تھے، اور یہ ساری صورتیں کتنی ظالمانہ اور ننگِ انسانیت تھیں، ۱۸۲۹ء میں لارڈ بنٹنگ نے از روئے قانون ستی ہونا اور ستی ہونے میں مدد دینا جرم قرار دیا[3] یہ ہنسی اپنے اندر کتنی آہیں اور بے بسی کے کتنے آنسو پنہاں رکھتی تھی۔

اُتار کر علیحدہ رکھ دیے۔ اور انہیں خیرات کر دیا پھر اُن کی بجائے ایک موٹی ساڑھی باندھ لی حوض کے پاس ایک نیچی جگہ آگ دہکائی گئی اور جب اُس پر سرسوں کا تیل ڈالا گیا تو وہ شعلہ مارنے لگی۔ پندرہ آدمیوں کے ہاتھ میں لکڑی کے گٹھے بندھے ہوئے تھے اور دس آدمی لکڑیوں کے بڑے بڑے کُندھے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے نقارہ اور نفیری والے بیوہ کے انتظار میں کھڑے تھے۔

آگ کو ایک رضائی کی اوٹ میں کر لیا تھا تاکہ عورت کی نظر اُس پر نہ پڑے۔ ان میں سے ایک عورت نے رضائی کو زبردستی ان لوگوں کے ہاتھ سے چھین لیا اور کہا کیا میں نہیں جانتی یہ آگ ہے۔ مجھے ڈراتے ہو پھر اُس نے آگ کی طرف ڈنڈوت کی اور اپنے تئیں ڈال دیا۔ اُس وقت نقارے اور نیفریاں بجنی شروع ہوئیں۔ لوگوں نے پتلی لکڑیاں جو ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے آگ میں ڈالنا شروع کیں اور اُس کے اوپر بڑے بڑے کُندے ڈال دیے تاکہ وہ عورت حرکت نہ کر سکے۔ حاضرین نے بھی نہایت شور کیا۔

میں یہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا اور گھوڑے سے گرنے کو تھا کہ مجھے میرے دوستوں نے سنبھال لیا اور میرا منہ پانی سے دھلوایا۔ میں وہاں سے لوٹ آیا۔ اسی طرح ہندو اپنے تئیں دریا میں غرق کر دیتے ہیں۔ اکثر دریائے گنگا میں ڈوب جاتے ہیں۔ گنگا کی طرف ہندو یاترا کے لیے جاتے ہیں اور اپنے مُردوں کی راکھ بھی اُس میں ڈالتے ہیں۔ اُن کا گمان ہے کہ اس دریا کا منبع بہشت ہے جب کوئی شخص اپنے تئیں دریا میں ڈبو دیتا ہے۔ تو حاضرین سے کہہ دیتا ہے۔ کہ میں کسی دنیاوی تکلیف سے یا افلاس کے سبب ایسا نہیں کرتا، بلکہ اپنے کُسائی (گسائیں) کی رضامندی کے لئے کرتا ہوں۔ گسائیں ان کی زبان میں خدا کا نام ہے۔ جب وہ شخص ڈوب کر مر جاتا۔ تو اُس کو نکال کر جلاتے ہیں، اور اُس کی راکھ دریائے گنگا میں ڈال دیتے ہیں۔

شہر سرسہ میں داخلہ

اجودھن سے چل کر ہم سُرستی (سرسہ) پہنچے یہ بڑا شہر ہے یہاں چاول بکثرت ہوتے ہیں۔ اور اچھے بھی ہوتے ہیں، اور دہلی بھیجے جاتے ہیں اس شہر کا محاصل بھی بہت ہے۔ حاجب شمس الدین بوشنجی نے مجھے تعداد بتلائی تھی یاد نہیں رہی[1]۔

---

[1] یہ شہر دریائے سرسوتی کے کنارے واقع تھا۔ اسی لئے سرستی کہلانے لگا، رفتہ رفتہ سرسہ بن گیا۔ صوبہ دار کا مرکز بھی یہی شہر تھا، کیونکہ ابھی تک فیروز شاہ کا بسایا ہوا شہر "حصار" عالم وجود میں نہیں آیا تھا۔

شہر ہانسی، وہاں کی خوبصورت عمارتیں اور اونچی فصیل

پھر سرسہ سے ہم ہانسی گئے۔ یہ ایک خوب صورت اور مضبوط شہر ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں ہیں، فصیل بھی اونچی ہے کہتے ہیں کہ ایک ہندو راجا تورا نے اسے بنایا تھا اور اُس راجہ کے متعلق لوگ بہت سی حکایات بیان کرتے ہیں۔ قاضی کمال الدین صدر جہاں قاضی القضاۃ ہندوستان اور اُس کا بھائی قطلوخاں بادشاہ کا اُستاد اور اُن کا بھائی شمس الدین جو ہجرت کر کے مکہ چلا گیا تھا، اور وہاں ہی مر گیا تھا۔ اس شہر کے رہنے والے ہیں۔[1]

مسعود آباد اور پالم میں ہمارا داخلہ

پھر ہم دو دن کے بعد مسعود آباد پہنچے یہ شہر دہلی سے دس کوس ہے۔ یہاں تین دن قیام کیا، ہانسی اور مسعود آباد دونوں ملک ہوشنگ ابن ملک کمال گرگ[2] کی جاگیریں ہیں۔ جب ہم پہنچے تو بادشاہ دارالخلافہ میں نہ تھے اور قنوج کی طرف گئے ہوئے تھے۔ قنوج دہلی سے دس منزل ہے۔ دہلی میں بادشاہ کی والدہ مخدومہ جہاں اور وزیر احمد بن ایاز رومی خواجہ جہاں[3] موجود تھے۔ وزیر نے ہم میں سے ہر ایک کے لئے اُسی کے مذاق اور مرتبہ کے مطابق آدمی استقبال کے لئے بھیجا میرے استقبال کو شیخ بسطامی اور شریف مازندانی جو پردیسیوں کا حاجب ہے اور فقیہ علاؤ الدین قنترہ ملتانی آئے، وزیر نے ہمارے آنے کی خبر سلطان کو دی اور ڈاک بھی بھیجی تیسرے دن اُس کے پاس جواب آ گیا۔ اور اسی لئے تین دن ہمیں مسعود[4] آباد میں ٹھیرنا پڑا اور تین دن کے بعد ہمارے استقبال کو قاضی اور فقیہ اور مشائخ اور اُمرا آئے، مصر میں جن لوگوں کو امیر کہتے ہیں اس ملک میں ملک کہتے ہیں اور شیخ ظہیر الدین زنجانی بھی آئے۔ وہ سلطان کے نہایت معزز مقرب ہیں۔ پھر ہم مسعود آباد سے چل کر ایک گاؤں کے قریب ٹھیرے جس کو پالم[5] کہتے ہیں یہ گاؤں سید شریف ناصر الدین مطہر اوہری کی جاگیر میں ہے جو سلطان کے ندیموں میں سے ہیں اور بادشاہ کی سخاوت سے بہت کچھ بہرہ مند ہوتے ہیں۔

---

[1] ضلع حصار میں اب یہ مقام ایک تحصیل کا صدر مقام رہ گیا ہے۔ [2] ایک نومسلم، جو حضرت نظام الدین اولیا کا مرید باصفا تھا [3] الذئب۔ [4] دہلی سے بارہ میل کے فاصلہ پر نجف گڑھ کے قریب اب بھی اس کے کھنڈر موجود ہیں۔

[5] تحصیل دہلی میں یہ گاؤں شامل ہے، دہلی ریواڑی جاتے ہوئے پہلا اسٹیشن ہے، اب یہاں ہوائی اڈہ بن گیا ہے، جو دہلی کی سب سے بڑی طیران گاہ ہے۔

دہلی

شہر کی وسعت، استحکام، فصیلیں اور انبار خانے

دوپہر کے وقت ہم دہلی پہنچے، یہ عظیم الشان شہر عمارات کی خوب صورتی اور مضبوطی ہر اعتبار سے بے مثل ہے، اُس کی فصیل ایسی مضبوط ہے کہ دنیا بھر میں اُس کی نظیر نہیں سارے مشرق میں کوئی شہر اس کا ہم پلّہ نہیں، بڑا فراخ شہر ہے اور سب آباد ہے۔ اصل میں چار شہر ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔(۱) دہلی[1] جو ہندوؤں کے وقت کا قدیم شہر ہے۔ یہ ۵۸۴ھ میں فتح ہوا تھا۔ (۲) دوسرا شہر سیری[2] ہے اس کو دارالخلافہ بھی کہتے ہیں یہ شہر بادشاہ نے غیاث الدین خلیفہ مستنصر العباسی کے پوتے کو دے دیا[3] تھا۔ جب وہ دہلی میں مقیم تھا۔ سلطان علاء الدین[4] اور قطب الدین[5] اسی شہر میں رہتے تھے۔ (۳) تیسرا شہر تغلق آباد ہے اس کو بادشاہ کے باپ غیاث الدین تغلق شاہ نے آباد کیا[6] تھا۔ غیاث الدین ایک روز سلطان قطب الدین خلجی کی ملازمت میں کھڑا تھا اس وقت اس نے عرض کی کہ اے اخوند عالم اس جگہ ایک نیا شہر بنانا چاہیے، بادشاہ نے طنز سے کہا کہ تو بادشاہ ہو جاوے تو یہاں شہر آباد کیجیو[6] جب وہ تقدیر خدا سے بادشاہ ہو گیا تو اُس نے یہ شہر آباد کیا۔ اور اپنے نام پر اس کا نام

---

[1] پرانی دلی بہت قدیم ہے، کوروں اور پانڈوں کے زمانہ کی پھر ہر ہندو مسلم بادشاہ کے وقت اس کی توسیع ہوتی رہی، یا اس کے پہلو بہ پہلو دوسرا شہر اسی نام سے بستا رہا، مسلمانوں نے جب دلی کو فتح کیا، تو یہ رائے پتھورا کی توسیع کردہ دلی تھی، جس میں لال کوٹ بھی شامل تھا۔

[2] سیری، یہ شہر سلطان علاؤ الدین خلجی کا تعمیر کیا ہوا تھا۔ نشانات اب تک باقی ہیں۔

[3] خلافت اسلامیہ سے شہنشاہ تغلق کی والہانہ عقیدت کی یہ کیسی عجیب و غریب اور نادر مثال ہے۔

[4] شہنشاہ علاء الدین خلجی اپنے وقت کا سکندر، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تھا۔

[5] قطب الدین خلجی، علاء الدین کا نالائق اور ننگ خاندان بیٹا جس پر خلجی خاندان ختم ہو گیا۔

[6] کسی تاریخ سے اس روایت کی تصدیق نہیں ہوتی۔

تغلق آباد رکھا۔ (۴) چوتھا شہر جہاں پناہ ہے اُس میں سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ حال رہتا ہے اور اُس نے اس شہر کو آباد کیا ہے[1]۔ بادشاہ کا ارادہ تھا کہ چاروں شہروں کو ملا کر ایک فصیل اُن کے گرد بنا دے اور بنانی شروع بھی کی تھی۔ لیکن خرچ زیادہ دیکھ کر ادھوری چھوڑ دی شہر کی فصیل تمام دنیا میں بے نظیر ہے۔ اس کا عرض گیارہ ہاتھ ہے۔ اُس میں کوٹھریاں اور مکانات بنے ہوئے ہیں جس میں چوکیدار اور دروازوں کے محافظ رہتے ہیں اور غلّے کے کھتے بھی جن کو انبار کہتے ہیں فصیل میں بنے ہوئے ہیں۔ منجنیق اور لڑائی کے سامان و رعادات[2] بھی ان ہی گوداموں میں رکھے جاتے ہیں، غلہ بھی اُن ہی میں جمع کرتے ہیں۔ یہ غلہ ہر ایک آفت سے محفوظ رہتا ہے اور رنگ بھی نہیں بدلتا[3]۔ میرے سامنے اِن گوداموں میں سے چاول نکالے گئے۔ اُن کا رنگ اوپر سے سیاہ ہو گیا تھا لیکن مزہ میں کچھ فرق نہ آیا تھا۔ مکّی یا جوار بھی اُس سے نکال رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ شاہ بلبن کے وقت جس کو نوّے سال ہوئے ہیں یہ غلّے بھرے گئے تھے[4]۔ فصیل کے اوپر کئی سوار اور پیادے تمام شہر کے گرد گھوم سکتے ہیں۔ شہر کے اندر کی طرف گوداموں میں تابدان ہیں جن سے روشنی آتی ہے۔ فصیل کے نیچے کا حصّہ پتھر سے بنا ہوا ہے اور اوپر کا حصّہ پختہ اینٹوں کا۔ برج تعداد میں بہت اور قریب قریب ہیں۔ شہر کے اٹھائیس دروازے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں: بدایوں دروازہ جو ایک بڑا دروازہ ہے، شہر بدایوں کے نام سے مشہور ہے۔ مندوی دروازہ جس کے باہر کھیت ہیں اور گل دروازہ جس کے باہر باغ ہیں اور نجیب دروازہ اور کمال دروازہ کسی شخص کے نام پر ہیں۔ اور غزنی دروازہ جس کے باہر عیدگاہ اور بعض قبرستان ہیں۔ اور پالم دروازہ جو پالم گاؤں کی طرف ہے۔ اور بجالصہ دروازہ جس کے باہر دہلی کے کل قبرستان ہیں۔ قبرستان خوب صورت ہیں ہر ایک قبر پر گنبد نہیں تو محراب ضرور ہوتی ہے اور بیچ میں گل شبو اور رائے بیل اور گل نسرین اور قسم قسم کی پھلواری لگی ہوتی ہے۔

---

[1] یہ شاندار شہر غیاث الدین تغلق کی اولوالعزمی کا شاہکار تھا، اب تک اس کے کھنڈر باقی ہیں، یہیں غیاث الدین تغلق کا مقبرہ ہے، سلطان محمد تغلق کا انتقال ٹھٹھہ میں ہوا تھا، وہاں سے اس کی لاش لاکر باپ کے پہلو میں دفن کی گئی۔ !۔

[2] ایک قسم کی منجنیق، صحیح لفظ عرادہ ہے۔

[3] اس غیر سائنسی زمانے میں اتنے عرصہ تک اناج کا بغیر کسی خرابی کے محفوظ رکھنا ایک کرشمہ تھا۔

[4] تقریباً ایک صدی کی مدت تک اناج کو اس طرح محفوظ رکھنا، جہاں بیدار مغزی کی دلیل ہے وہاں حسنِ انتظام کی بھی ہے۔

مسجد قوت الاسلام اور قطب مینار

دلّی کی عمارتیں، شمسی حوض، مزارات و مقابر کا بیان

دہلی کی جامع مسجد[1] بڑی وسیع ہے۔ اس کی دیواریں اور چھتیں اور فرش ہر ایک چیز تراشی ہوئی سفید پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ جس کو سیسہ لگا کر جوڑ لگایا ہے اور لکڑی کا کہیں نام نہیں اس میں تیرہ گنبد ہیں جو پتھر کے ہیں۔ اور ممبر بھی پتھر کا ہے۔ چار صحن ہیں اور اس کے وسط میں ایک لاٹ[2] ہے معلوم نہیں کس دھات کی بنی ہوئی ہے۔ کسی نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ ہفت جوش یعنی سات دھاتوں کو جوش دیکر ان سے یہ لاٹ بنائی گئی ہے۔ کسی نے اس لاٹ میں سے انگل بھر ٹکڑا تراشا ہے وہ جگہ نہایت چکنی ہے۔ لوہا اس میں اثر نہیں کرتا۔ اس کا طول تیس ہاتھ کا ہے۔ جو میں نے اپنی پگڑی سے ناپا تھا۔ مسجد کے اوپر شرقی دروازے کے باہر دو بڑے بڑے برنجی بت پتھر میں جڑے ہوئے پڑے[3] ہیں آیندو روند ان پر پاؤں رکھ کر جاتے ہیں۔ یہاں پہلے بت خانہ تھا۔ جب دہلی فتح ہوئی تو بت خانہ کی جگہ یہ مسجد[4] تیار کی گئی۔ مسجد کے شمالی صحن میں ایک صومعہ (مینار[5] ہے) جس کی نظیر اسلام کے کسی ملک میں نہیں۔ یہ مینار سرخ پتھر

---

[1] اس مسجد کا نام "قوت الاسلام" ہے یہاں پہلے پرتھوی راج کا بت خانہ تھا، سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۸۹ھ میں دلی فتح کی اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو جو اس کا سالار بھی تھا وہاں کا حاکم مقرر کیا اور اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ جس کی تعمیل ہوئی، یہ واقعہ ۵۹۲ھ کا ہے۔ بعد ازاں شمس الدین التمش نے ۶۲۷ھ میں تین تین رو کے دو درجے اور تعمیر کیے۔ یہ مسجد دنیا کے عجائبات میں سے ہے جو اپنی وسعت اور خوبصورتی کے باعث دنیا بھر میں بے مثل ہے اقبال نے اس کا بڑا دردناک مرثیہ لکھا ہے۔

[2] یہ خالص لوہے کی لاٹ ہے لیکن کمال یہ ہے کہ اب تک زنگ آلود نہیں ہوئی۔ حالانکہ ڈیڑھ ہزار سال کی مدت گزر چکی ہے یہ بکرماجیت کی لاٹ تھا۔

[3] مسلمان بادشاہ انہی مندروں کو مسجدوں میں تبدیل کرتے تھے، جو سازش کدے۔ مذہب کی آڑ میں۔ ہوتے تھے۔

[4] یہ دنیا کا بے مثل مینار قطب الدین ایبک نے ماذنہ کے طور پر بنوایا تھا کہ ہر جمعہ کو یہاں سے صدائے تکبیر گونجا کرے یہ بھی شہاب الدین غوری کے حسب الحکم بنا تھا۔ اسکی تکمیل غوری کے دوسرے غلام شمس الدین التمش نے کی، اسکی بلندی ۲۳۸ فٹ ہے سیڑھیاں ۳۷۸، مسجد قوت الاسلامؔ اور قطب مینار اور دہلی کی دوسری تاریخی عمارتوں کا ذکر تفصیل سے سرسید کی آثار الصنادید اور ڈپٹی نذیر احمد کے خلف الصدق بشیر الدین احمد کی "تاریخ سلطنت دہلی" میں موجود ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

کا بنا ہوا ہے۔ حالانکہ مسجد سفید پتھر کی ہے۔ مینار کے پتھروں پر نقش کندہ ہیں اور اس کا اوپر کا چھتر خالص سنگِ مرمر کا ہے۔ اور لٹو زر خالص کے ہیں۔ اور اندر سے اس کا زینہ اس قدر چوڑا ہے کہ اس پر ہاتھی چڑھ جاتا ہے۔ ایک ثقہ آدمی نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ جب یہ مینار بنایا جاتا تھا تو میں نے ہاتھیوں کو اس کے اوپر پتھر لے جاتے ہوئے دیکھا ہے اس مینار کو معزالدین بن ناصرالدین بن التمش نے بنوایا تھا[1] اور قطب الدین خلجی نے ارادہ کیا تھا کہ غربی صحن میں ایک اور مینار بنا دے جو اس مینار سے بہت بڑا اور اونچا ہو اور ایک تہائی کے قریب اس نے بنوایا تھا کہ وہ مارا گیا اور سلطان محمد تغلق نے تکمیل کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر فال بد سمجھ کر اپنے ارادہ سے باز رہا۔ ورنہ یہ مینار دنیا کے عجائبات میں سے ہوتا یہ اندر سے اس قدر چوڑا ہے کہ تین ہاتھی برابر اس میں اوپر چڑھ سکتے ہیں اور تہائی اس قدر بلند ہے جس قدر صحن شمالی کا کل مینار۔ میں ایک دفعہ اس پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ شہر کے اونچے اونچے گھر اور فصیل باوجود بلندی کے چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے تھے اور اس کی جڑ میں کھڑے ہوئے آدمی چھوٹے بچے معلوم ہوتے تھے نیچے سے کھڑے ہو کر دیکھنے سے یہ نامکمل مینار بسبب کلانی اور وسعت کے کم اونچا معلوم ہوتا ہے۔ سلطان قطب الدین خلجی نے ارادہ کیا تھا کہ وہ سیری میں ایک ایسی مسجد تعمیر شروع کرے لیکن فقط ایک دیوار اور محراب کے سوا نہ بنا سکا۔ اس نے سفید اور سرخ اور سبز و سیاہ پتھروں کی تعمیر شروع کی تھی۔ اگر بن جاتی تو ایسی مسجد کسی ملک میں نہ ہوتی۔ سلطان محمد تغلق نے اسے بنانے کا ارادہ کیا۔ اور معماروں اور کاریگروں سے اندازہ کرایا تو معلوم ہوا کہ ۳۵ لاکھ روپیہ لگے گا۔ خرچ کثیر دیکھ کر ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن بادشاہ کا ایک مصاحب کہتا تھا کہ فال بد کے سبب سے اس نے بنانا شروع نہیں کیا۔ کیونکہ قطب الدین اس کے شروع کرتے ہی مارا گیا تھا۔

حوض شمسی، علائی حوض، طرب آباد، اور وہاں بھی مسجد اور نماز

دہلی کے باہر ایک حوض ہے جو سلطان شمس الدین التمش کی طرف منسوب ہے[2] اہل شہر اس کا پانی پیتے ہیں اور شہر کی عیدگاہ بھی اسی کے قریب ہے اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہے۔ اس کے غربی طرف عیدگاہ کی جانب پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ جو چبوتروں

---

[1] معزالدین کیقباد اور معزالدین بن سام میں ابن بطوطہ امتیاز نہ کر سکا۔

[2] اس تالاب کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب بھی یہ ۲۷۶ بیگھہ پختہ میں ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مزار پرانوار بھی اسی حوض کے کنارے واقع ہے۔ یہ پورا حوض سنگِ سرخ سے بنا تھا۔

کی شکل میں ہے اور کئی چبوترے نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں۔ چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترہ کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہے۔ جس میں تماشائی بیٹھ کر سیر کرتے ہیں اور حوض کے وسط میں بھی منقش پتھروں کا گنبد بنا ہوا ہے یہ گنبد دو منزلہ ہے۔ جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھ کر اس گنبد تک پہنچ سکتے ہیں۔ جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو ویسے ہی چلے جاتے ہیں اس کے اندر ایک مسجد ہے زاہد اور متوکل وہاں جا کر رہتے ہیں۔ جب حوض کے کنارے سوکھ جاتے ہیں تو ان میں نیشکر اور ککڑی اور کھیرے اور تربوز اور خربوزے بو دیتے ہیں۔ خربوزہ چھوٹا لیکن نہایت شیریں ہوتا ہے۔ دہلی اور دار الخلافہ کے درمیان ایک اور حوض ہے جس کو حوض خاص کہتے ہیں[1]۔ یہ حوض حوض شمسی سے بھی بڑا ہے اور اس کے کناروں پر چالیس کے قریب گنبد ہیں اس کے گرد اہل طرب رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے اسے طرب آباد کہتے ہیں یہاں اہل طرب کا ایک بازار ہے جو بہت بڑا ہے اور اس میں ایک مسجد جامع بھی ہے[2] سوا اس کے اور مسجدیں بھی ہیں۔ کہتے ہیں گانے بجانے والی عورتیں جو اس محلہ میں رہتی ہیں رمضان شریف میں تراویح کی نماز جماعت سے پڑھتی ہیں اور ان کے امام مقرر ہیں عورتیں تعداد میں بہت ہیں اور ڈوم ڈھاڑی بھی بہت ہیں اور میں نے امیر سیف الدین ابن مہنی کی شادی میں دیکھا کہ جونہی اذان ہوئی ہر ایک ڈوم وضو کر کے اور مصلیٰ بچھا کر نماز پر کھڑا ہو گیا[3]۔

دہلی میں اہل اللہ کے مزارات

دہلی کے علماء و صلحا، اور ارباب فضل و کمال

یہاں کے مزارات میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا مزار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مزار

---

[1] یہ سلطان علاؤ الدین خلجی کا تعمیر کردہ ہے پھر بعد میں فیروز شاہ نے اس کی مرمت کرائی۔

[2] "مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیئے"! شاید غالب نے اسی موقع کے لئے کہا تھا۔

[3] ارباب نشاط اور اہل طرب بھی اس زمانے میں سرتاسر آلودۂ معصیت نہ تھے۔

پُر انوار بابرکت مشہور[1] ہے اور لوگ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہ کاکی یوں مشہور ہوئے کہ ان کے پاس جو مقروض یا مفلس آتا اور قرض اور افلاس کی شکایت کرتا۔ یا کوئی ایسا شخص آتا جس کی بیٹی جوان ہوتی اور شادی کا سامان اس کے پاس نہ ہوتا تو خواجہ صاحب ان کو ایک کاک سونے یا چاندی کی دے دیا کرتے تھے۔ دوسرا مزار فقیہ نور الدین کرلانی کا ہے۔ تیسرا فقیہ علاء الدین کرمانی کا یہ مزار ظاہر البرکت اور ساطع النور ہے۔ یہ عیدگاہ کی پشت کی طرف ہے۔ یہاں اور بھی بہت سے اولیاء کے مزار ہیں۔

دہلی کے علماء زندہ میں شیخ محمود[2] کبا ہیں یہ بڑے بزرگ ہیں لوگوں کا خیال ہے انہیں دستِ غیب حاصل ہے کیونکہ خرچ بہت کرتے ہیں۔ اور آمدنی کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں۔ ہر مسافر کو روٹی دیتے ہیں اور روپیہ اور اشرفی اور کپڑے تقسیم کرتے ہیں۔ صاحب کرامات بزرگ ہیں۔ آپکی کرامتیں زبان زد عام ہیں۔ میں نے کئی بار زیارت کی اور فیض حاصل کیا۔

شیخ علاؤ الدین[3] نیلی ایک بزرگ ہیں شیخ نظام الدین بدایونی کے خلیفہ ہیں ہر جمعہ کو وعظ کہتے ہیں

---

[1] حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے ولی کامل تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی، اور انہی کے ایماء پر دہلی آکر تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دینے لگے۔

کاک کے معنی ٹکیہ کے ہیں، اور یہاں سے اب تک جو تبرک ملتا ہے وہ یہی "کاک" ہے،

مشہور یہ ہے کہ آپ کی بیوی ایک بقال سے قرض لیا کرتی تھیں ایک دفعہ اسکی بیوی نے طعنہ دیا، آپ نے فرمایا قرض نہ لیا کرو۔ جب ضرورت ہو تو طاقچہ میں ہاتھ ڈال کر کاک لے لیا کرو، چنانچہ جب ہاتھ ڈالتیں گرما گرم کاک برآمد ہوتی، بچے بہل جاتے

اس مزار کی چار دیواری شیر شاہ سوری نے کھنچوائی تھی۔ پھر سنگ مرمر کی پوری عمارت فرخ سیر شہنشاہ ہند نے تعمیر کرائی

ستمبر ۱۹۴۷ء میں جب دلی مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بنی تو یہ درگاہ بھی محفوظ نہ رہی، اور اس کی بے حرمتی میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ اپنی قوم کی اس حرکت پر گاندھی جی بہت ملول ہوئے اور انہوں نے مرن برت رکھ لیا تب جاکر اس کی مرمت کی گئی، پھر جب عرس ہوا تو اس میں شرکت کے لئے بھی گاندھی جی پہونچے،

حضرت کا انتقال اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ قوال نے مجلس میں یہ شعر گایا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ٭ ہر زماں از غیب جانے دیگر است

اس پر حال طاری ہوا، اور آپ نے جان، جانِ آفریں کو سونپ دی؛

[2] ہوسکتا ہے حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی ہوں

[3] حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے خلیفہ تھے صوبہ اودھ کے رہنے والے تھے۔

بہت سامع ان کے ہاتھ پر توبہ کرتے ہیں اور سر منڈوا کر صاحب وجد ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ یہ صاحب وعظ کرتے تھے میں بھی حاضر تھا۔ قاری نے کلام اللہ کی یہ آیت پڑھی۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُم بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝

شیخ نے اس کو دوبارہ پڑھوایا تو ایک فقیر نے مسجد کے گوشہ سے چیخ ماری۔ شیخ صاحب نے آیت کو پھر پڑھوایا۔ فقیر نے ایک اور چیخ ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا۔ میں نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی۔

ایک بلند پایہ عالم صدر الدین کہرانی ہیں۔ صایم الدہر اور قائم اللیل، دنیا کو بالکل ترک کر چکے ہیں لباس فقط ایک کمبل، بادشاہ اور امیر زیارت کو آتے ہیں مگر یہ چھپتے پھرتے ہیں۔ ایک دفعہ بادشاہ نے درخواست کی کہ لنگر کے خرچ کے واسطے کچھ دیہات قبول کر لیں۔ لیکن شیخ نے انکار کیا۔ ایک دفعہ بادشاہ زیارت کے لئے آیا اور دس ہزار دینار نذر کیے۔ شیخ نے قبول نہ کیے۔ یہ بزرگ تین دن سے پہلے روزہ نہیں کھولتے۔ ان سے کسی نے عرض کیا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں جب تک مضطر نہیں ہوتا روزہ نہیں کھولتا مضطر کو مردار بھی حلال ہے[1]۔

ایک اور بزرگ امام صالح یگانہ عصر فرید دہر کمال الدین عبداللہ غاری ہیں۔ آپ شیخ نظام الدین بدایونی کی خانقاہ کے پاس ایک غار میں رہتے ہیں میں نے تین دفعہ غار میں آپ کی زیارت کی۔ کرامت جو میں نے دیکھی وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ میرا ایک غلام بھاگ گیا۔ میں نے اسے ایک ترک کے پاس دیکھا اور واپس لینا چاہا۔ شیخ نے منع کیا کہ یہ غلام تیرے لائق نہیں جانے دے۔ اور چونکہ وہ ترک مجھ سے مصالحت کرنا چاہتا تھا سو دینار لے کر میں غلام سے دستبردار ہو گیا۔ چھ مہینے کے بعد میں نے سنا کہ اس نے اپنے آقا کو قتل کر ڈالا۔ اس کو بادشاہ کے پاس پکڑ کر لائے۔ بادشاہ نے اسے ترک کے بیٹوں کے حوالہ کر دیا کہ اپنا قصاص لیں۔ انہوں نے اسے مار ڈالا۔ یہ کرامت دیکھ کر میں شیخ کا معتقد ہو گیا۔ اور دنیا کو ترک کر کے ان کی ملازمت اختیار کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دس دس

---

[1] اشارہ اس آیۂ کریمہ کی طرف ہے "فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ" (رئیس احمد جعفری)

دن اور بیس بیس دن کا روزہ رکھتے تھے اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں گذارتے تھے اور میں اسوقت تک جب تک کہ بادشاہ نے مجھے واپس بلا نہ بھیجا اور میں دنیا کو پھر نہ جا لپٹا ان کی خدمت میں رہا۔ خدا خاتمہ بالخیر کرے۔

ابن بطوطہ نے دلّی کے صوفیائے کرام کا جو تذکرہ کیا ہے وہ اپنی جگہ پر یقیناً مبنی بر حقیقت ہے مگر اس پر ضرور حیرت ہے کہ اس نے بعض کا بالکل ذکر نہیں کیا ہے' اور بعض کا بہت تشنہ ذکر کیا ہے' مثلاً سلطان جی یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے' اگرچہ حضرت اس کے زمانۂ ورود میں وفات پا چکے تھے، مگر پھر بھی دلّی کے بام و در آپ کے ذکر گرامی سے گونجا کرتے تھے۔

اسی طرح امیر خسرو کے بارے میں شاید اس کی ناواقفیت حیرت انگیز ہے۔ امیر خسرو بھی شاید اس کے زمانۂ آمد میں وفات پا چکے تھے، لیکن ان کے اثرات و نقوش اتنے گہرے تھے کہ دلّی کے متعدد سلاطین کی شخصیت پر بلکہ زندگی اور اطوارِ حیات پر ایسا نہ مٹنے والا نقش پڑا تھا، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر ابن بطوطہ خاموش ہے'

(رئیس احمد جعفری)

دِلّی پر مسلمانوں کا قبضہ

●

دِلّی کے ملوک و سلاطین نام بنام

●

چپّہ چپّہ پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

قطب الدین ایبک

جس نے دِلّی فتح کی، قطب مینار تعمیر کیا مسجد قوت الاسلام کی بنیاد ڈالی

قاضی القضاۃ علامہ کمال الدین محمد بن برہان الدین الملقب بہ صدر جہاں نے مجھے بتایا کہ دہلی کی فتح ۵۸۴ھ ہجری میں ہوئی تھی اور مسجد جامع کی محراب میں بھی یہی تاریخ لکھی ہوئی ہے جو میں نے خود پڑھی[1]۔ دہلی کو قطب الدین ایبک نے فتح کیا ہے یہ شخص سلطان شہاب الدین محمد سام غوری[2] بادشاہ غزنی وخراسان کا غلام[3] اور سپہ سالاری کا عہدہ رکھتا تھا۔ اور یہ محمد بن غوری، سلطان ابراہیم بن سلطان غازی محمود غزنوی کے ملک پر جس نے ہندوستان کی فتح شروع کی تھی بہ قوت قابض ہو گیا۔ سلطان شہاب الدین نے قطب الدین کو ایک بڑا لشکر دے کر ہندوستان بھیجا۔ اس نے پہلے لاہور فتح کیا اور وہاں سکونت اختیار کی۔ پھر وہ ایک عظیم الشان بادشاہ ہو گیا۔

بادشاہ کے مصاحبوں نے ایک دفعہ اس کی چغلی کھائی کہ وہ ہندوستان میں علیحدہ بادشاہت

---

[1] کتبہ پڑھنے میں ابن بطوطہ سے چوک ہوئی، دراصل دلی ۵۸۹ھ میں فتح ہوئی،

[2] سلطان شہاب الدین غوری بڑا اولوالعزم فرماں روا تھا۔ پہلی مرتبہ ناتجربہ کاری، اور کمیٔ سپاہ کے باعث پرتھوی راج سے شکست کھا کر واپس گیا، لیکن قسم کھائی کہ جب تک پرتھوی راج کو شکست نہ دے لوں گا لذات دنیاوی مجھ پر حرام ہیں۔ جو لوگ شکست کے وقت بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں عبرت انگیز سزائیں دیں۔ پھر دوبارہ حملہ کر کے پرتھوی راج کو زبردست شکست دی اور وہ ہلاک ہو گیا۔ پرتھوی راج کے زمانہ میں اصل دارالحکومت ہندوستان کا اجمیر تھا، دلّی ضمنی دارالحکومت کی حیثیت رکھتا تھا، غوری اجمیر فتح کر کے واپس چلا گیا۔ فتح دلّی وغیرہ کا کام قطب الدین کے مشیر اور نائب و معتمد ایبک نے پوری وفاداری سے سرانجام دیا۔ (رئیس احمد جعفری)

[3] اسلام کے غلاموں نے، دنیا کے ہر ملک میں جو عروج و فروغ حاصل کیا اسکی مثال دنیا کی تاریخ نہیں پیش کر سکتی، (جعفری)

قائم کر کے اطاعت کے حلقہ سے باہر ہونا چاہتا ہے۔ یہ خبر قطب الدین کو بھی پہنچ گئی۔ وہ تن تنہا غزنی میں آیا اور رات کو پہنچا۔ اسی وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چغلخوروں کو اس کے آنے کا علم نہ تھا۔ دوسرے روز جب بادشاہ دربار میں آیا۔ قطب الدین چھپ کر تخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے بادشاہ نے قطب الدین ایبک کا حال پوچھا۔ جن ندیموں نے چغلی کھائی تھی بول اُٹھے ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ خودسر بادشاہ بن بیٹھا ہے۔ بادشاہ نے تخت پر پاؤں مارا اور تالی بجا کر کہا ایبک۔ قطب الدین نے کہا حاضر اور باہر نکل آیا اور سب کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چغل خور شرمندہ ہو گئے اور ڈر کر زمین چومنے لگے۔

بادشاہ نے کہا تمہارا قصور اس دفعہ میں نے معاف کیا۔ پھر کبھی ایبک کے خلاف مجھ سے کچھ نہ کہنا۔ قطب الدین کو حکم دیا کہ واپس ہندوستان کو چلا جا۔ وہ واپس چلا گیا۔ اور شہر دہلی فتح کیا۔ اور دوسرے شہر بھی فتح کئے جب سے دہلی برابر اسلام کا دارالخلافہ چلا آیا ہے۔ قطب الدین نے دہلی میں وفات پائی[1]۔

---

[1] قطب الدین ایبک کا انتقال لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر ہوا۔ وہیں اس کی قبر بھی ہے، اور وہ محلہ "ایبک روڈ" کے نام سے مشہور ہے، اب پاکستان کا محکمۂ آثار قدیمہ آس پاس کی عمارتوں کو توڑ کر شاندار مقبرہ بنانے کی اسکیم پر غور کر رہا ہے۔

سُلطان شمس الدین التمش

عادل، صالح، فاضل، اور داد رس بادشاہ

سُلطان شمس الدین التمش[1] دہلی کا پہلا مستقل بادشاہ ہے۔ قبل ازیں یہ قطب الدین کا غلام اور سپہ سالار اور نائب تھا۔ قطب الدین کے مرنے کے بعد مستقل بادشاہ ہوا۔ اور لوگوں سے بیعت لینی شروع کی۔ تمام عالم و فقیہ قاضی وجیہہ الدین کاشانی کے ہمراہ آئے اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ قاضی اس کے برابر حسب عادت بیٹھ گیا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں اپنے فرش کا کونہ اُٹھا کر اس میں سے ایک کاغذ نکال کر قاضی کو دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قطب الدین نے اس کو آزاد کر دیا تھا[2]۔ قاضی اور فقہیوں نے اس کو پڑھا اور سب نے اس کی بیعت کر لی[3]۔ بیس برس تک اس نے سلطنت کی، یہ عادل، صالح اور فاضل شخص تھا۔ اس کے مآثر میں سے یہ ہے کہ ردّ مظالم اور مظلومین کی داد رسی میں بہت سخت تھا۔ حکم عام تھا کہ جس پر کوئی ظلم ہوا ہو وہ رنگے ہوئے کپڑے پہن کر پھرے تاکہ بادشاہ فوراً اسے پہچان لے کیونکہ ہندوستان میں عموماً سفید رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ رات کے واسطے یہ تجویز کی تھی کہ اپنے دروازے کے برجوں پر دو شیر سنگ مرمر کے بنے ہوئے رکھے ہوئے تھے۔ اور ان دونوں کے گلے میں زنجیریں ڈالی ہوئی تھیں۔ اور زنجیروں میں گھڑیال باندھے تھے جب کوئی مظلوم آکر زنجیر ہلاتا تھا تو فوراً بادشاہ کو خبر ہو جاتی تھی اور وہ فی الفور اس کے مقدمے کا فیصلہ کرنے آموجود ہوتا۔ مگر وہ اس پر بھی قانع نہ ہوا، کہا کرتا لوگوں پر رات کو ظلم ہوتا ہوگا۔ اور صبح تک دیر ہو جاتی ہے لہٰذا حکم دیا کہ فوراً فریقین کو طلب کر کے فیصلہ کیا جائے۔

---

[1] نہ جانے ابن بطوطہ نے "للمش" کس طرح لکھ دیا۔ حالانکہ شمس الدین کے عہد کے جو کتبے موجود ہیں ان میں صاف التمش لکھا ہے، شعرا کے اشعار میں بھی یہی لفظ آیا ہے۔ [2] غلام حاکم یا امیر نہیں ہو سکتا۔ [3] بات صاف ہو گئی تو سب نے بے چون و چرا بیعت کر لی۔

سلطان رکن الدین

عادل باپ کا ظالم بیٹا

سلطان شمس الدین کے تین بیٹے تھے۔ رکن الدین، معز الدین، ناصر الدین اور ایک بیٹی رضیہ۔ التمش کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین تخت نشین ہوا[1]۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بھائی معز الدین کو جو رضیہ کا حقیقی بھائی تھا اور رکن الدین کی دوسری ماں کے پیٹ سے تھا قتل کروا ڈالا۔ رضیہ ناراض ہوئی۔ بادشاہ نے چاہا کہ اسے بھی مروا ڈالے۔ وہ ایک روز جمعہ کی نماز کو جامع مسجد گیا ہوا تھا۔ رضیہ مظلوموں کی پوشاک پہن کر پرانے بادشاہی محل یعنی دولت خانہ کی چھت کے اوپر کھڑی ہو گئی جو مسجد جامع کے متصل واقع تھا اور لوگوں سے اپنے باپ کے عدل و احسان یاد دلا کر کہا کہ رکن الدین نے میرے بھائی کو مار ڈالا ہے اور میری جان بھی لینا چاہتا ہے۔ لوگ برافروختہ ہو گئے اور رکن الدین پر ہجوم کر کے اسے مسجد میں پکڑ لیا۔ اور رضیہ کے پاس لے آئے۔ اس نے اپنے بھائی کے قصاص میں اس کو مروا ڈالا[2]۔

---

[1] شمس الدین التمش نے اس کو اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا۔

[2] فرشتہ کا بیان ہے کہ بغاوت فرو کرنے پنجاب گیا تھا کہ بعض امراء نے رضیہ کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔

سُلطانہ رضیہ

بیدار مغز، مُدبّر، باھمّت اور اُولوالعزم خاتون فرماں روا

چونکہ تیسرا بھائی ناصر الدین ابھی صغیر سِن تھا۔ اس لئے لشکر اور امیروں نے اس کو سُلطانہ مقرر کیا۔ اس نے چار برس سلطنت کی۔ یہ سلطانہ[1] مردوں کی طرح ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار ہوا کرتی تھی۔ اور اپنا چہرہ کُھلا رکھتی تھی۔ جب اس پر تہمت لگائی گئی کہ وہ ایک حبشی غلام[2] سے تعلق رکھتی ہے تو لوگوں نے اتفاق کر کے اسے تخت سے اُتار دیا۔ اور اس کے کسی رشتہ دار قریبی کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا[3]۔ اور اس کے بھائی ناصر الدین[4] کو بادشاہ بنا لیا۔ جب سلطانہ رضیہ کو تخت سے علیحدہ کیا گیا۔ تو اس کا چھوٹا بھائی بادشاہ بنا اور مدت تک حکومت کرتا رہا۔ تھوڑے دنوں کے بعد رضیہ اور اس کے شوہر نے بغاوت کی اور اپنے غلام اور ساتھی لے کر مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئی۔ ناصر الدین اور اس کے نائب بلبن نے جو اس کے بعد بادشاہ ہوا مقابلہ کیا رضیہ کے لشکر کو شکست ہوئی۔ رضیہ میدان سے بھاگ گئی اور جب وہ تھک گئی اور بھوک پیاس نے غلبہ کیا تو ایک زمیندار کو ہل چلاتے ہوئے دیکھا اس نے کھانے کو کچھ مانگا۔

---

[1] تمام مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ رضیہ بڑی بہادر، مدبّر، اور معاملہ فہم خاتون تھی۔ اور باپ کی زندگی ہی میں امور سلطنت انجام دینے لگی تھی، قرآن مجید کی تلاوت پابندی سے کرتی تھی التمش نے فتح گوالیار کے بعد اس کو ولی عہد بنانا چاہا تھا لیکن اُمرائے دولت نے اعتراض کیا۔ اُس نے جواب دیا۔ "پسران خود را بہ شُربِ خمر و تیام مناہی و ہوا پرستی مبتلا می بینم"!

[2] یاقوت حبشی جو امیر الامرا بن گیا تھا۔ ـــــ لیکن یہ محض تہمت تھی۔

[3] ملک اختیار الدین حاکم بھٹنڈہ،

[4] ابن بطوطہ نے پوری بات نہیں کی، اصل ترتیب یہ کہ رضیہ کے بعد اس کا بھائی معز الدین بہرام شاہ بادشاہ بنا پھر رکن الدین کا بیٹا علاؤ الدین مسعود شاہ تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ اس کے بعد ناصر الدین کی باری آئی۔

اس نے روٹی کا ٹکڑا دیا وہ کھا کر سو گئی۔ اس وقت وہ مردانہ کپڑے پہنے ہوئے تھی زمیندار کی نظر اسکی قبا پر جا پڑی۔ جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ عورت ہے اس کو سوتے ہوئے قتل کر کے اس کے کپڑے اور سامان اتار لیا اور گھوڑے کو بھگا دیا۔ اس کی نعش کھیت میں دفن کر کے آپ اس کا کوئی کپڑا بازار میں بیچنے گیا بازار والوں نے شبہ کیا اور کوتوال کے پاس پکڑ کر لائے کوتوال نے مار پیٹ کی تو اس نے اقبال کیا اور تمام احوال بتا دیا اور نعش بھی بتا دی۔ نعش وہاں سے نکال کر لائے۔ اور غسل و کفن دے کر اسی جگہ اس کو دفن کر دیا اور اس کی قبر پر ایک گنبد بنا دیا۔ اب اس کی قبر زیارت گاہ عام ہے اور دریائے جمنا کے کنارے پر شہر سے ایک فرسخ (ساڑھے تین میل) پر واقع ہے۔

سُلطان ناصر الدین

ایک درویش صفت فرماں روا

اس کے بعد ناصر الدین بادشاہ ہوگیا۔ اور مسلسل بیس سال تک سلطنت کرتا رہا۔ یہ بادشاہ نہایت صالح تھا۔ قرآن شریف کی کتابت کر کے اس کی اجرت سے گذارہ کرتا تھا۔ قاضی کمال الدین نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف مجھے دکھایا خط اچھا تھا اور کتابت پختہ تھی۔ اس کے نائب غیاث الدین نے اس کو مار ڈالا[1] اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔

---

[1] یہ غلط ہے ناصر الدین طبعی موت مرا۔

تمام مستند مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ اس کی موت غیر طبعی نہیں تھی، بلکہ وہ بیمار ہو کر طبعی موت مرا۔

اصل بات یہ ہے کہ ابن بطوطہ کبھی کبھی سُنی سنائی باتوں کو بھی امر واقعہ کے طور پر بیان کر ڈالتا ہے، لیکن تاریخ بہر حال تاریخ ہے، وہ تو ہر بات کی سند چاہتی ہے۔

سلطان غیاث الدین بلبن

بندِ غلامی سے تختِ شہنشاہی تک

بلبن اپنے آقا کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا اور بیس برس تک سلطنت کرتا رہا۔ اس سے پہلے بیس برس تک بطور نائب کے بھی کل امور سلطنت اس کے ہاتھ میں تھے۔ یہ بادشاہ منصف مزاج بردبار اور نہایت نیک چلن تھا اور عالم فاضل تھا۔ اس نے ایک مکان بنوایا تھا۔ اس کا نام دار الامن رکھا تھا۔ جو مقروض اس میں داخل ہو جاتا۔ اس کا قرضہ ادا کر دیتا تھا۔ کوئی قاتل یا مجرم اس میں داخل ہو جاتا تو مقتول یا مظلوم کے وارثوں کو خون بہا دے کر راضی کر دیتا تھا۔ اس کی قبر بھی اس کے مکان میں بنائی گئی ہے میں نے یہ قبر دیکھی ہے۔

اس بادشاہ کی نسبت ایک عجیب حکایت بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ بخارا کے بازار میں اسے ایک فقیر ملا۔ بلبن پستہ قد اور کم رو، اور بد صورت تھا۔ فقیر نے کہا اے ترکک۔ اس نے کہا حاضر اے اخوند۔ فقیر خوش ہوا اور کہا مجھے یہ انار خرید دے۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ اور اپنی جیب سے کچھ پیسے نکالے اور یہی ساری پونجی تھی۔ اور انار خرید کر فقیر کو دے دیا۔ فقیر نے انار لے کر کہا کہ ہم نے تجھے ہندوستان کا ملک بخشا۔ بلبن نے اپنا ہاتھ چوم کر کہا مجھے منظور ہے۔

اتفاق سے سلطان شمس الدین التمش نے ایک سوداگر بھیجا کہ بخارا اور ترمذ اور سمرقند میں اس کے لئے غلام خریدے۔ اس نے سو غلام خریدے ان میں بلبن بھی تھا۔ جب بادشاہ کے سامنے وہ غلام حاضر کئے گئے تو اس کو سب پسند آ گئے مگر بلبن کو پسند نہ کیا۔ اور کہا کہ میں اسے نہیں لیتا۔ بلبن نے عرض کیا کہ اے اخوند عالم یہ غلام حضور نے کس کے لیے خریدے ہیں؟ بادشاہ نے کہا اپنے لیے بلبن نے عرض کیا ننانوے غلام اپنے لیے خریدے ہیں ایک غلام خدا کے لیے خرید لیجئے۔ التمش ہنسا اور اسے بھی خرید لیا لیکن چونکہ وہ کم رو تھا۔ اس لیے اسے پانی لانے کا حکم دیا۔

نجومیوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ تیری اولاد سے تیرا ایک غلام سلطنت لے لیگا اور اس پر غالب ہو جائے گا۔ نجومی ہمیشہ یہی کہتے تھے لیکن بادشاہ نے اپنی نیک بختی اور انصاف پروری کے سبب

ان کی باتوں پر توجہ نہ کی۔ آخر انہوں نے بادشاہ بیگم سے کہا۔ اس نے بادشاہ سے کہا تو بادشاہ کے دل پر کچھ اثر ہوا اور نجومیوں کو بلا کر کہا کہ تم اس شخص کو پہچان سکتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس کی بعض علامتیں ہیں اور ہم پہچان لیں گے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کل سارے غلام میرے سامنے سے گزریں۔ بادشاہ بیٹھ گیا۔ جماعت جماعت بادشاہ کے سامنے سے گزرتی جاتی تھی۔ اور منجم دیکھ دیکھ کر کہتے جاتے تھے کہ ان میں وہ شخص نہیں ہے۔ ظہر کا وقت ہو گیا۔ سقوں کی باری ابھی نہیں آئی تھی۔ آپس میں کہنے لگے کہ ہم بھوکے مر گئے اور پیسے جمع کر کے بلبن کو بازار میں روٹیاں لانے کے لیے بھیج دیا۔ اس کو قریب کے بازار میں روٹی نہ ملی۔ وہ دوسرے بازار میں چلا گیا۔ جو ذرا فاصلے پر تھا۔

جب سقوں کی باری آئی اور بلبن واپس نہ آیا تو انہوں نے ایک لڑکے کو کچھ دے کر بلبن کی مشک اور اس کا اسباب اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ اور اسے بلبن کی بجائے پیش کیا۔ جب بلبن کا نام پکارا گیا تو وہ لڑکا اس کی جگہ محسوب ہو گیا۔ جب جائزہ ہو چکا تو منجموں نے اس کو نہ پایا جس کی تلاش میں تھے۔ بلبن بعد میں آیا جب کہ کل سقے پیش ہو چکے تھے۔ کیونکہ تقدیر الٰہی پوری ہوتی تھی۔ بلبن نے اپنی لیاقت سے ترقی کی۔ اور سقوں کا امیر ہو گیا۔ اور پھر لشکر میں داخل ہو گیا اور رفتہ رفتہ سردار بن گیا۔ سلطان ناصر الدین نے بادشاہ ہونے سے پہلے اس کا نکاح اپنی بیٹی[1] سے کر دیا۔ اور جب ناصر الدین بادشاہ ہوا تو اس کو اپنا نائب بنا لیا۔ بیس برس تک نیابت کی۔ اور پھر اس نے سلطان ناصر الدین کو قتل کر ڈالا اور خود بادشاہ ہو گیا[2]۔ بلبن کے دو بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا خان[3] شہید تھا۔ جو اس کا ولی عہد تھا اور وہ اپنے باپ کی طرف سے سندھ کا حاکم تھا اور ملتان میں رہا کرتا تھا۔ وہ تاتاریوں سے لڑ کر ایک لڑائی میں شہید ہو گیا۔ اس کے دو بیٹے تھے ایک کیقباد دوسرا کیخسرو بلبن کے دوسرے بیٹے کا نام ناصر الدین تھا۔ وہ اپنے باپ کے وقت لکھنوتی اور بنگالہ کا حاکم تھا۔ جب خان شہید مارا گیا تو بلبن نے اس کے بیٹے کیخسرو کو ولیعہد بنایا اور اپنے بیٹے کو نہ بنایا۔ اس ناصر الدین کے بھی ایک بیٹا تھا جو بادشاہ کے پاس رہا کرتا تھا اور اس کا نام معز الدین تھا۔

---

[1] بلبن التمش کا داماد تھا نہ کہ ناصر الدین کا۔ ملا عبد القادر بدایونی کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

[2] یہ بالکل غلط ہے ناصر الدین کو بلبن نے نہیں مارا، وہ اپنی موت مرا۔

[3] اسکا نام محمد سلطان خان تھا باپ کیطرف سے ملتان کا صوبیدار تھا۔ جو تاتاریوں سے لڑتا ہوا عین اس وقت مارا گیا جب جنگ جیت چکا تھا۔ امیر خسرو نے بڑا دردناک مرثیہ لکھا ہے۔ یہ بڑا علم دوست، اور عالم، سخن فہم۔ اور سخن سنج تھا۔

سلطان معز الدین کیقباد

اقتدار و اختیار اور سطوت شاہی کی دھوپ چھاؤں

رات کے وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا انتقال ہوا تھا۔ اُس کا بیٹا ناصر الدین (بغرا خاں) بنگالہ میں تھا۔ اس لیے اُس نے اپنے پوتے کیخسرو کو اپنا ولی عہد بنایا۔ لیکن بادشاہ کا نائب کیخسرو سے رنجش رکھتا تھا۔ اُس نے یہ حیلہ کیا کہ بادشاہ کے مرتے ہی کیخسرو کے پاس پہنچا اور ہمدردی اور غمخواری ظاہر کر کے ایک جعلی کاغذ دکھایا جس میں سب امیروں نے کیقباد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا اتفاق کیا تھا اور یہ کہا کہ مجھے تمہاری جان کا خوف ہے۔ کیخسرو نے کہا پھر کیا کیا جائے؟ نائب نے صلاح دی کہ آپ اسی وقت سندھ چلے جائیں کیخسرو نے کہا شہر کے دروازے بند ہیں، نائب نے کہا کہ کنجیاں میرے پاس ہیں آپ کو نکلوا دیتا ہوں اور پھر دروازہ بند کر لوں گا۔ کیخسرو بہت ممنون ہوا اور راتوں رات ملتان کی طرف بھاگ گیا۔

جب کیخسرو شہر سے باہر نکل گیا تو نائب معز الدین کے پاس گیا اور اسے جگا کر کہا کہ تمام امیر آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں معز الدین نے کہا کہ میرا چچازاد بھائی ولی عہد ہے۔ میرے ساتھ بیعت کے کیا معنے نائب نے تمام قصہ سنایا معز الدین نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ تمام امیروں سے اور خواص سے راتوں رات بادشاہ کی بیعت کرا دی۔

پھر معز الدین کے باپ کو اُس کی تخت نشینی کی خبر پہنچی تو اُس نے کہا کہ حق میرا ہے اور میری زندگی میں میرا بیٹا بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ اُس نے اپنے لشکر آراستہ کیے اور بڑی جمعیت کے ساتھ ہندوستان پر چلا۔ اس طرف سے نائب نے بادشاہ کو ساتھ لیا۔ اور دریائے گنگا کے کناروں پر شہر کڑا کے قریب دونوں لشکر خیمہ زن ہوئے۔ لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ خدا تعالیٰ نے ناصر الدین کے دل میں ڈالا کہ آخر معز الدین تیرا بیٹا ہے اور تیرے بعد بھی وہی بادشاہ ہو گا لوگوں کی خونریزی سے کیا فائدہ۔ بیٹے کے دل میں بھی محبت نے جوش مارا۔ اور آخر دونوں بادشاہ اپنی اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر دریا میں ملے۔

بادشاہ نے اپنے باپ کے قدم لیے اور ناصر الدین نے اُسے اُٹھا کر کہا کہ جو میرا حق تھا۔ میں نے تجھے بخشا اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس ملاقات کی بابت شعراء نے بہت قصیدے لکھے ہیں۔ اس ملاقات کا نام لقاء السعدین[2] رکھا گیا۔ پھر بادشاہ اپنے باپ کو دہلی میں لے گیا۔ باپ اسے تخت پر بٹھا کر سامنے کھڑا ہوا۔ پھر واپس بنگال چلا گیا اور چند سال حکومت کر کے مر گیا۔ وہاں اس کی اور اولاد بھی تھی۔ اُن میں سے ایک بیٹا غیاث الدین بہادر تھا۔ جس کو سلطان غیاث الدین نے قید کر لیا تھا۔ لیکن سلطان محمد تغلق نے اسے اپنے باپ کی وفات کے بعد چھوڑ دیا تھا۔ معز الدین نے چار سال تک سلطنت کی جس کا ہر دن عید اور ہر رات شب برات تھی۔ یہ بادشاہ سخی اور کریم تھا۔ اُس کے دیکھنے والوں میں سے بعض اشخاص سے میری ملاقات ہوئی وہ اُس کے علم اور انسانیت اور سخاوت کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اُس نے جامع مسجد دہلی کا مینار بنوایا تھا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔ عیاشی اور شراب خوری کی کثرت سے اُس کی ایک جانب مفلوج ہو گئی تھی طبیبوں نے ہر چند علاج کیا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جب بادشاہ ہر طرح عاجز ہو گیا تو اُس کے نائب جلال الدین فیروز نے بغاوت کی اور شہر سے باہر نکل کر قبہ جیشانی کے قریب جو ٹیلہ ہے اُس پر خیمہ زن ہوا۔ معز الدین نے اپنے امیروں کو لڑائی کے لئے بھیجا۔ جو امیر جاتا تھا۔ فیروز کے ساتھ مل جاتا تھا۔ اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا تھا۔ پھر جلال الدین نے شہر میں داخل ہو کر محل شاہی کا محاصرہ کیا بادشاہ بھوک سے مرنے لگا۔ ایک شخص مجھ سے ذکر کرتا تھا۔ کہ اُس کے ہمسایوں میں ایک شریف کا گھر تھا۔ وہ اُس کے پاس کھانا بھیجتا رہا۔ پھر لشکر نے محل میں داخل ہو کر اُس کو مار ڈالا اُس کے بعد جلال الدین بادشاہ ہوا۔

---

[1] کڑا ۔ الہ آباد کے قریب ایک قصبہ ہے، اکبر سے پہلے اس علاقہ کا صوبہ دار یہیں رہا کرتا تھا۔ اکبر نے جب الہ آباد میں قلعہ بنایا تو صوبہ دار کو یہاں منتقل کر دیا۔

[2] قران السعدین، ویسے صحیح لقاء السعدین بھی ہے۔

[3] یہ روایت بھی صحیح نہیں، ناصر الدین بیٹے کے حق میں دستبردار ہو کر کڑا سے بنگال واپس چلا گیا دہلی نہیں گیا۔

جلال الدّین فیروز خلجی

حلیم، بردبار، رحم دل، اور نیک سرشت بادشاہ

جلال الدین بڑا حلیم اور فاضل بادشاہ تھا۔ اُس کا حلم اُس کی موت کا باعث ہوا۔ جب یہ بادشاہ ہوگیا تو اُس نے ایک محل اپنے نام پر بنوایا جو سلطان محمد تغلق نے بعد میں اپنے داماد عذابن مہنّیٰ کو دیدیا تھا۔ اس بادشاہ کے ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام رکن الدین تھا اور ایک بھتیجا تھا جس کا نام علاء الدین تھا اور وہ اُس کا داماد بھی تھا۔ بادشاہ نے اسے کڑا مانکپور کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ یہ علاقہ ہندوستان میں نہایت سرسبز اور زرخیز سمجھا جاتا ہے گیہوں اور چاول اور نیشکر وہاں بکثرت پیدا ہوتے ہیں کپڑا بھی بہت بیش قیمت تیار ہوتا ہے اور دہلی میں فروخت کے لیے آتا ہے۔ یہ شہر کڑا دہلی سے اٹھارہ منزل ہے۔ علاء الدین کی بیوی[1] اسے ہمیشہ اذیت دیا کرتی تھی، وہ اُس کی شکایت اپنے چچا سے کرتا رہا آخر اسی سبب سے دونوں میں فرق آگیا۔ علاء الدین ایک بہادر اور جری اور صاحب ارادہ شخص تھا لیکن اُس کے پاس روپیہ نہ تھا۔ ایک دفعہ اُس نے دیوگیر پر حملہ کیا یہ شہر مالوہ اور مرہٹوں کے ملک کا دارالخلافہ تھا۔ وہاں کا راجہ اُن دنوں ہندوستان کے تمام راجاؤں میں سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا۔ راستہ چلا جاتا تھا کہ علاء الدین کے گھوڑے کا پاؤں ایک جگہ زمین میں دھنس گیا اور اُس میں سے ٹن کی آواز نکلی۔ علاء الدین نے وہ جگہ کھدوائی وہاں سے بیشمار دفینہ برآمد ہوا۔ وہ اُس نے سارا فوج میں تقسیم کر دیا۔ پھر دیوگیر کی طرف روانہ ہوا تو راجہ نے بغیر لڑائی کے اطاعت منظور کر لی اور بہت سا روپیہ دے کر پھر اسے رخصت کیا[2]۔ علاء الدین کڑا واپس آیا تو

---

[1] جلال الدین کی یہ لڑکی جو اسکے بھتیجے علاؤ الدین سے منسوب تھی، فرشتہ کے الفاظ ہیں: "در حسن و جمال نظیر و عدیل نداشت"! لیکن ساس کا برتاؤ حقارت کا تھا۔ بیٹی بھی ماں کا ساتھ دیتی تھی، دل برداشتہ ہو کر علاؤ الدین کڑا چلا گیا۔

[2] علاؤ الدین کا یہ کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے، ذرا تصوّر تو کیجئے ایک من چلا نوجوان مٹھی بھر سپاہ کے ساتھ۔ دریاؤں، جنگلوں، میدانوں کو پھلانگتا۔ وقت کی بہت بڑی حکومت پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اور چھ سو من سونا، سات سو من مروارید، دو من جواہر، لال، یاقوت، الماس اور زمرد، دو ہزار من چاندی لے کر اور مہاراجہ کو مطیع و باج گزار بنا کر اپنے مستقر پر واپس آجاتا ہے، بعض مورخوں نے جو اسے سکندر سے تشبیہہ دی ہے، غلط نہیں دی ہے۔

بادشاہ کے پاس اُس نے مال غنیمت نہ بھیجا، اہل دربار نے بادشاہ کو افروختہ کیا۔ بادشاہ نے اسے بلا بھیجا۔ وہ نہ گیا۔ بادشاہ نے خود آنے اور اُس کے لے جانے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ وہ اسے اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ بادشاہ لشکر اور سفر کا سامان درست کر کے کڑہ کی طرف روانہ ہوا اور دریا کے کنارے جس جگہ علاء الدین خیمہ زن ہوا تھا۔ جا کر اُترا اور کشتی میں بیٹھ کر اپنے بھتیجے کی طرف چلا۔ دوسری طرف سے علاء الدین اپنی کشتی میں بیٹھ کر آیا۔ اُس نے اپنے نوکروں کو اشارہ کر دیا تھا۔ کہ جس وقت بادشاہ سے گلے لگ کر ملوں تو تم بادشاہ کا کام تمام کر دینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بادشاہ کا کچھ لشکر تو علاء الدین کے ساتھ مِل گیا۔ اور کچھ دہلی کی طرف واپس بھاگ گیا۔ یہاں آکر اُنہوں نے بادشاہ کے بیٹے رکن الدین کو اپنا بادشاہ بنایا۔ اور جب وہ ان کو ساتھ لے کر علاء الدین کے مقابلے کے واسطے آگے بڑھا تو وہ بھی علاء الدین کے لشکر میں جا ملے۔ رکن الدین سندھ کی طرف بھاگ گیا۔[1]

سُلطان علاؤالدین خلجی

ایک مَن چلا اور بیدار مغز شہنشاہ

علاؤالدین دہلی میں داخل ہوا اور اُس نے بیس[2] برس تک سلطنت کی وہ بہت اچھے بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے، اور اہل ہند اب تک اُس کی تعریف کرتے ہیں وہ خود امور حکومت سرانجام دیتا تھا اور ہر روز نرخ وغیرہ کی بابت دریافت کر لیتا تھا اور محتسب سے رپورٹ لیتا تھا، محتسب کو اس ملک میں رئیس کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اُس نے محتسب سے دریافت کیا کہ گوشت کے گراں ہونے

---

[1] یہ تاریخ کی بہت بڑی ٹریجڈی ہے، لیکن اسے کیا کیجئے کہ تاریخ اس طرح کے واقعات و حوادث سے بھری ہوئی ہے۔ جلال الدین کا یہ انجام عبرت ناک بھی ہے، اور سبق آموز بھی۔ انسان کو خواہ وہ مجموعی طور پر کتنا ہی صاحب خیر و حسنات کیوں نہ ہو، اس کے عمل کی سزا ضرور ملتی ہے۔

کا کیا سبب ہے اُس نے کہا کہ گائے اور بکری پر زکوٰۃ (یعنی محصول) لی جاتی ہے۔ بادشاہ نے اُسی روز سے کل محصول اس قسم کے معاف کر دیئے اور سوداگروں کو بلا کر راس المال اپنے خزانہ سے دیا اور کہا کہ اسکی گائے اور بکریاں خرید کر لاؤ اور انکو بیچ کر قیمت میں داخل کرو اور کچھ نفع مقرر کر دیا، اسیطرح سے جو کپڑا دولت آباد سے آتا تھا اُسکا انتظام کیا ایک دفعہ غلہ بہت گراں ہو گیا تو سرکاری گودام کھلوا دیے اور نرخ سستا ہو گیا۔ بادشاہ نے ایک واجبی نرخ مقرر کر دیا کہ اس کے مطابق خرید و فروخت کرو۔ غلہ[1] والوں نے بیچنے سے انکار کیا۔ بادشاہ نے اپنا گودام کھول دیا اور انہیں بیچنے کی بالکل ممانعت کر دی۔ اور خود چھ مہینے تک بیچتا رہا، جب ذخیرہ والوں نے دیکھا کہ اُن کا غلہ بگڑا جاتا ہے اور کیڑا لگ رہا ہے۔ بادشاہ سے رجوع کیا۔ بادشاہ نے ایسا نرخ مقرر کر دیا جو پہلے سے زیادہ سستا تھا اور وہ انہیں منظور کرنا پڑا، یہ بادشاہ نہ تو جمعہ کے روز سوار ہو کر باہر نکلتا تھا۔ اور نہ عید کے روز اور نہ کسی اور روز اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کا ایک بھتیجا تھا۔ سلیمان[2] نام۔ علاءالدین اُس سے بہت محبت رکھتا تھا۔ ایک دن بادشاہ شکار کو گیا۔ اور وہ بھی ساتھ گیا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ میں بادشاہ کے ساتھ وہی سلوک کروں جو اُس نے اپنے چچا جلال الدین کے ساتھ کیا تھا۔ جب ناشتہ کے لیے کسی جگہ ٹھیرے تو سلیمان نے بادشاہ کے ایک تیر لگایا بادشاہ گر پڑا اور اُس پر اُس کے کسی غلام نے اپنی ڈھال ڈال دی۔ سلیمان آیا کہ اُس کا کام تمام کر دے، غلاموں نے کہا وہ مر چکا ہے۔ وہ اِن کا کہنا سچ مان کر فوراً دارالخلافہ کی طرف چل پڑا اور حرم میں داخل ہونے لگا۔ اتنے میں بادشاہ غشی سے ہوش میں آگیا۔ تو تمام لشکر اُسکے گرد جمع ہو گیا اُس کا بھتیجہ بھاگ گیا اسے پکڑ کر لائے۔ بادشاہ نے اُس کو قتل کر ڈالا۔ اور پھر کبھی سوار ہو کر باہر نہ نکلا۔ اس بادشاہ کے پانچ بیٹے تھے۔ خضر خاں، شادی خاں۔ ابو بکر خاں۔ مبارک خاں،

---

[1] علاءالدین خلجی نے اپنے دورِ حکومت میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ عوام کو ضروریاتِ زندگی ارزاں ترین نرخ پر بسہولت فراہم ہوتی رہیں، چنانچہ اسکے پورے زمانۂ حکومت میں گیہوں دو آنے من بکتا رہا۔ اسی سے دوسری اجناس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سوئی سے لے کر گھوڑے تک اس نے ہر چیز کا نرخ مقرر کر دیا تھا، اور مجال نہ تھی کہ اس میں سرمو تفاوت ہو جائے۔ اس کا نظام مخبری اتنا زبردست اور مکمل تھا کہ ایک پائی کے فرق سے بھی اگر کوئی چیز فروخت ہوتی تھی تو اسے علم ہو جاتا تھا۔ اور ایسے لوگوں کو وہ عبرت ناک سزا دیتا تھا، قحط کے زمانے میں بھی اس کے نرخ قائم رہے ان میں ذرا فرق نہ آیا، تاریخ فرشتہ اور دوسری متداول تاریخوں سے تفصیل معلوم ہو سکتی ہے۔

[2] اکت خاں۔

(جس کا دوسرا نام قطب الدین تھا) اور شہاب الدین۔ قطب الدین کو بادشاہ ضعیف العقل بدنصیب اور کم ارادہ سمجھتا تھا۔ اور اُس کے بھائیوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے تھے اور علم اور طبل بھی عطا کیے تھے۔ لیکن اسے کچھ نہیں دیا تھا۔ ایک روز بادشاہ نے اُس سے کہا کہ تجھے بھی مجھے وہی تعظیم اور مرتبے دینے پڑے جو تیرے بھائیوں کو دیئے ہیں۔ قطب الدین نے کہا مجھے خدا دے گا۔ اِس جواب سے بادشاہ خائف ہوگیا اور اُس سے ناراض ہوگیا۔ پھر بادشاہ بیمار ہوگیا۔ اُس کی بڑی ملکہ خضر خاں کی ماں تھی۔ اس کا نام نا ایک تھا۔ اس ملکہ کا ایک بھائی تھا، اُس کا نام سنجر[1] تھا۔ اُس نے اپنے بھائی سے قسم لی کہ وہ اُس کے بیٹے خضر خاں[2] کو بادشاہ بنوانے میں کوشش کرے گا۔ اس کی خبر بادشاہ کے نائب کو پہنچی جس کو ملک الفی[3] کہتے تھے۔ کیونکہ بادشاہ نے اُس کو ایک ہزار تنکہ میں خرید کیا تھا۔ اُس نے بادشاہ کو خبر پہنچائی کہ اسطرح کا عہد ہوا ہے۔ بادشاہ نے اپنے خواص کو حکم دیا کہ جب سنجر میرے پاس آئے، اور میں اس کو خلعت دوں اور وہ پہننے لگے تو تم اس کی مشکیں باندھ کر زمین پر گرانا اور مار ڈالنا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ خضر خاں اُس روز سند پت[4] (سنپت) شہیدوں کے مزاروں کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ یہ جگہ دہلی سے ایک منزل ہے۔ اور خضر خاں نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل جا کر زیارت کرے گا۔ اور اپنے باپ کی صحت یابی

---

[1] الپ خاں۔

[2] خضر خاں، ہمہ صفت موصوف شخص تھا، علاؤالدین نے شکست خوردہ راجہ دیو گیر کی بیوی کنول دیوی سے خود شادی کرلی، اور اس کی بیٹی دیول دیوی سے خضر کی شادی کردی، ان دونوں میں بڑی محبت تھی امیر خسرو نے جو خضر خاں کے نیازمند، اور علاؤالدین کے مشیر و ندیم تھے، بڑی سحر آفریں مثنوی "خضر خاں اور دیول دیوی" پر لکھی ہے، ان دونوں کی محبت آخر وقت تک قائم رہی، مصیبت کے زمانے میں بھی دونوں ایک دوسرے کے دل و جان سے وفادار رہے۔

[3] ملک کافور، یہ علاؤالدین کا چہیتا غلام تھا، لیکن یہ حد درجہ چالاک، طالع، سازشی، اور، احسان فراموش تھا، اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے، اس نے باپ بیٹے میں تفرقہ اندازی کی مسلسل کوششیں کیں، اور کامیاب رہا، خلجی خاندان کو نیست و نابود کرنے میں اس نے بہت بڑا اور نمایاں حصّہ لیا،

[4] سونی پت، بہت قدیم شہر ہے، اس کا بالائی حصّہ کوٹ کے نام سے اور زیریں حصّہ مشہد کے نام سے مشہور ہے، یہاں سید ناصر الدین اور میر مکند کی خانقاہیں، سید ناصر الدین کو پرتھوی راج کے داماد نے شہید کردیا تھا۔

کی دعا مانگے گا۔ جب اُس کو خبر پہنچی کہ اُس کے باپ نے اس کے ماموں کو قتل کر ڈالا تو نہایت غمگین ہوا اور اپنا گریبان پھاڑ ڈالا۔ اہلِ ہند میں یہ رسم ہے کہ جب کوئی اُس کا عزیز مرتا ہے تو وہ گریبان چاک کر دیتے ہیں اور بادشاہ کو خبر پہنچی تو اس کو ناگوار گزرا اور جب خضر خاں اُس کے پاس گیا تو اُس پر ناراض ہوا اور نہایت ملامت کی، اور حکم کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ لو اور ملک نائب کے سپرد کر دو۔ اور نائب کو حکم دیا کہ اُس کو گالیور (گوالیار) کے قلعے میں بند کر دے، یہ قلعہ ہندوؤں کی ریاستوں کے درمیان ہے اور دہلی سے دس منزل کے فاصلے پر واقع ہے اور نہایت مضبوط سمجھا جاتا ہے میں بھی اس قلعہ میں کچھ عرصہ تک رہا ہوں۔ خضر خاں کو گوالیار لے جا کر کوتوال اور محافظین قلعہ کے سپرد کیا اور اُن سے کہا کہ تم اسے بادشاہ کا بیٹا نہ سمجھنا۔ بلکہ اس طرح محافظت کرنا جیسے بادشاہ کے سخت دشمن کی کرتے ہیں۔ پھر بادشاہ کی بیماری بڑھتی گئی، بادشاہ نے حکم دیا کہ خضر خاں کو بلوا لو تاکہ میں اُس کو ولی عہد مقرر کروں۔ نائب نے کہا کہ اچھا اور بلانے میں دیر کی۔ بادشاہ نے پوچھا تو کہا ابھی آنے والا ہے۔ اتنے میں بادشاہ مر گیا۔

سُلطان شہاب الدّین خلجی

نمک حرام ملک کافور کی اقتدار پسندی کی بدترین مثال

علاؤالدین مر گیا تو ملک نائب (کافور) نے اُس کے سب سے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو تخت نشین کیا، اور لوگوں سے اُس کی بیعت لی۔ کل کاروبار ملک نائب کے قبضۂ اقتدار میں رہا[1]۔ اُس نے شادی خاں اور ابو بکر خاں کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی اور اُن کو بھی گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا اور حکم

---

[1] مقصد بھی یہی تھا۔

دیا کہ خضر خاں کی آنکھوں میں بھی سلائی پھیردی جاوے[1] قطب الدین کو بھی قید کرلیا لیکن اُس کی آنکھوں کو بے نور نہ کیا[2] سلطان علاء الدین کے خاص غلاموں میں سے بشیر اور مبشر دو شخص تھے اُن کو خاتون کبریٰ یعنی علاء الدین کی بیوی نے جو سلطان معزالدین کی بیٹی تھی یہ پیغام بھیجا کہ ملک نائب نے جو کچھ سلوک میرے بیٹوں کے ساتھ کیا ہے تمہیں معلوم ہے۔ اب وہ قطب الدین کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے انہوں نے جواب بھیجا کہ ہم جو کچھ کرنے والے ہیں جلد معلوم ہو جائے گا، اُن کی عادت تھی کہ وہ رات کو نائب کے پاس رہا کرتے تھے۔ اور انہیں ہتھیاروں سمیت آنے کی اجازت تھی۔ اُس رات بھی وہ حسبِ معمول آئے نائب ایک لکڑی کے بالاخانہ میں تھا اتفاق کی بات کہ ملک کافور نے ایک تلوار لے کر اسے اُلٹا پلٹا پھر دیکھ کر واپس کردی ایک نے فوراً تلوار سے وار کیا اور دوسرے نے بھی تلوار لگائی اور قتل کر ڈالا اور وہ دونوں اُس کا سر قید خانہ میں قطب الدین کے پاس لے گئے[3] اور اُس کے رُوبرو پھینک دیا اور قطب الدین کو باہر نکال لائے۔

سلطان قطب الدین خلجی

ایک عیاش اور ظالم بادشاہ حسرت ناک انجام

قطب الدین کچھ دنوں تو اپنے بھائی شہاب الدین کے نائب کے طور پر کام کرتا رہا، لیکن پھر اُس کو تخت سے علیحدہ کرکے آپ بادشاہ ہوگیا۔ اور شہاب الدین کی اُنگلیاں کاٹ کر اُس کو بھی اور بھائیوں

---

[1] تاکہ آئندہ کبھی اس کے بادشاہ بننے کا امکان نہ رہے۔

[2] اسی لیے کہ اس سے کوئی خاص خطرہ نہ تھا۔

[3] دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

کے پاس گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا[1]۔ اور آپ دولت آباد کی طرف گیا۔ دولت آباد دہلی سے چالیس[2] منزل ہے اور تمام رستہ پر برابر بید مجنوں کے اور قسم قسم کے درخت دو رویہ لگے ہوئے ہیں۔ چلنے والے کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا وہ باغ کے درمیان چلا جاتا ہے اور ہر ایک کوس میں تین چوکیاں ڈاک کے ہرکاروں کی ہیں جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

ہر چوکی پر ضرورت کی ہر چیز ملتی ہے۔ گویا وہ بازار میں جا رہا ہے اور اسی طرح سے یہ سڑک تلنگانہ اور معبر کے ملک تک چلی گئی ہے جو دہلی سے چھ مہینے کا راستہ ہے۔ ہر ایک منزل پر بادشاہی محل ہے اور مسافروں کے لیے سرا ہے۔ کچھ ضرورت نہیں کہ مسافر اپنے ساتھ زاد راہ اٹھاتا پھرے۔

جب سلطان قطب الدین رستے میں تھا تو بعضے امیروں نے اُس کے خلاف بغاوت کرنے کا ارادہ کیا اور اُس کے بھتیجے کو جو خضر خاں کا بیٹا تھا اور دس برس کی عمر کا تھا تخت پر بٹھانا چاہا۔ قطب الدین نے اپنے بھتیجے کے پاؤں پکڑ کر اُس کا سر پتھروں سے ٹکرا کر بھیجا نکال کر مار ڈالا[3] اور اپنے ایک امیر کو جس کا نام ملک شاہ تھا گوالیر کی طرف بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہاں اس لڑکے کے باپ کو، اور اُس کے چچاؤں کو قتل کر ڈالو[4] ـــــــــ قاضی زین الدین مبارک قاضی گوالیر مجھ سے ذکر کرتے تھے کہ جس روز ملک شاہ قلعہ میں پہنچا تو میں خضر خاں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے آنے کی خبر سنتے ہی اُس کا رنگ فق ہو گیا۔ جب ملک شاہ خضر خاں کے پاس آیا تو اُس نے پوچھا کیوں آیا ہے۔ امیر نے کہا اخوند عالم

---

[1] تاکہ اس کی طرف سے کوئی کھٹکا نہ رہے، اور خود بے غل و غش حکومت کرتا رہے۔ [2] اسد الدین، علاء الدین کا چچا زاد بھائی۔

[3] تاکہ آئندہ کوئی خطرہ نہ رہ جائے۔ [4] ہر ممکن تردد متوقع حریف راستہ سے ہٹ جائے، لیکن

تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ

خود اس کی قسمت میں حد درجہ عبرت انگیز موت لکھی تھی۔

شہاب الدین خضر خاں کی جان کا گاہک اسی لیے اور زیادہ تھا کہ دیول دیوی کو داخل حرم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے خضر خاں سے یہ بات کہی بھی، لیکن جیسا کہ امیر خسرو نے لکھا ہے، خضر خاں نے صاف انکار کر دیا،

پھر خضر خاں کو قتل کرنے کے بعد بقول بدایونی،

"دیول رانی را طلبیدہ داخل حرم ساخت"

فرشتہ نے لکھا ہے!

"دیول دیوی منکوحۂ خضر خاں را داخل حرم ساخت!"

دیول دیوی کو اس نے جبراً حرم میں داخل کر لیا، لیکن بہت جلد اسے عروس مرگ سے ہمکنار ہونا پڑا۔

کسی ضرورت سے آیا ہوں۔ خضر خاں نے کہا میری جان کی خیر ہے۔ امیر نے کہا ہاں۔ پھر اُس نے کوتوال کو بلوایا اور محافظان قلعہ کو جو تین سو اشخاص تھے اور مجھے (یعنی قاضی کو) اور گواہوں کو طلب کیا اور سب کے سامنے بادشاہ کا حکم پڑھوایا۔ پھر شہاب الدین کے پاس آئے اور اس کو مار ڈالا اُس نے کسی طرح کا ڈر اور بیقراری ظاہر نہیں کی اور پھر شادی خان اور ابو بکر خاں کے سر تن سے جُدا کیے۔ جب خضر خاں کی باری آئی تو اس پر دہشت چھا گئی، اُس کی ماں بھی ساتھ تھی اسے گھر میں بند کر دیا تھا اور خضر خاں کو مار کر اُن سب کی نعشیں بلا تکفین اور تدفین کے ایک گڑھے میں ڈال دیں کئی سال کے بعد اُن کو نکالا گیا۔ اور وہ اپنے خاندان کے مقبرہ میں دفن کیے گئے خضر خاں کی ماں عرصہ تک زندہ رہی اور میں نے اسے ۷۲۸ھ میں مکہ معظمہ میں دیکھا تھا۔

گوالیار کا قلعہ[1] ایک چٹان کی چوٹی پر واقع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چٹان میں سے تراش کر اس کو بنایا ہے۔ اور اُس کے آس پاس کوئی پہاڑ اس قدر بلند نہیں ہے اور اُس کے اندر پانی کا ایک تالاب اور تقریباً بیس[2] کنوئیں ہیں۔ ہر ایک کنوئیں پر فصیل ہے جس پر منجنیق اور عرادے لگے ہوئے ہیں۔ قلعہ پر چڑھائی کا راستہ اس قدر چوڑا ہے کہ ہاتھی بہ آسانی آجا سکتے ہیں قلعہ کے دروازے پر پتھر کا تراشا ہوا ہاتھی کا بت مع فیلبان کے بنا ہوا ہے۔ دور سے ہو بہو ہاتھی معلوم ہوتا ہے۔

قلعہ کے نیچے شہر بستا ہے۔ خوب صورت بنا ہوا ہے۔ کل عمارات اور مساجد سفید پتھر کی بنی ہوئی ہیں اور سوا دروازہ کے لکڑی کہیں استعمال نہیں کی گئی۔ اکثر رعیت ہندو ہے بادشاہ کی طرف سے چھ سو سوار رہتے ہیں جنہیں اکثر لڑائی جاری رکھنا پڑتی ہے۔ کیونکہ یہ قلعہ ہندوؤں کی ریاستوں کے بیچ میں ہے[2]۔ جب قطب الدین نے اپنے سب بھائیوں کو مار ڈالا اور کوئی حریف نہ رہا تو خدا نے اُس پر ایک قاتل مسلّط کیا جو اُس کا بڑا منہ چڑھا امیر کبیر[3] تھا۔ اُس نے قطب الدین کو قتل کر ڈالا اور وہ بھی

---

[1] اس قلعہ کو جو ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا، اور جسے محمود غزنوی بھی فتح نہ کر سکا، ۱۱۹۶ء میں غوری نے اسے فتح کیا، یہاں حضرت محمد غوث کی درگاہ ہے، نیز راجا بکرماجیت، جہانگیر اور شاہجہاں کے محلات بھی موجود ہیں، اسے عام طور پر شاہی قیدیوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، حضرت مجدد الف ثانی بھی جہانگیر کے حکم سے یہاں نظر بند رہ چکے ہیں، یہ آگرہ سے ۶۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ لمبائی ایک میل، چوڑائی تین سو گز، جس چٹان پر واقع ہے۔ وہ ۳۴۲ فٹ بلند ہے،

[2] اندور وغیرہ، [3] نومسلم غلام خسرو خاں،

تھوڑے ہی دنوں رہنے پایا تھا کہ اُس کو خدا تعالیٰ نے سلطان تغلق[1] کے ہاتھ سے قتل کروایا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ خسرو خاں قطب الدین کے امیروں میں سے تھا۔ بڑا بہادر اور خوب صورت جوان تھا۔ چندیری اور معبر کا ملک اُس نے فتح کیا۔ یہ علاقہ ہندوستان میں نہایت سرسبز اور زرخیز گنا جاتا ہے۔ معبر دہلی سے چھ ماہ کے فاصلے پر واقع ہے قطب الدین۔ خسرو ملک سے نہایت محبت رکھتا تھا[2]۔ قطب الدین کا استاد۔ قاضی[3] خاں صدر جہاں تھا اور وہ امرائے عظیم الشان میں سے تھا اور کلید برداری کا عہدہ بھی اسی کے پاس تھا۔ یعنی شاہی محل کی کنجی اسی کے پاس رہتی تھی، اُس کی عادت تھی کہ رات کو شاہی محل کے دروازے پر رہتا تھا۔ ایک ہزار آدمی اُس کے ماتحت تھے۔ ہر رات اڑھائی سو آدمی پہرہ پر رہتے تھے۔ باہر کے دروازے سے اندر کے دروازے تک دو رویہ صف باندھے اور ہتھیار لیے ہوئے کھڑے رہتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی شخص محل کے اندر داخل ہوتا تھا تو اُس کو اُن کی صفوں کے درمیان میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان لوگوں کو نوبت والے کہتے تھے اُن پر افسر اور منشی ہوتے تھے جو گشت پر پھرتے تھے، اور حاضری لیا کرتے تھے، تاکہ کوئی غیر حاضر نہ ہو۔ رات والے جب پہرہ دے چکتے تھے۔ تو دن کے پہرہ دینے والے اُن کی جگہ آکر پہرے پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ قاضی خاں خسرو ملک[4] سے نہایت نفرت کرتا تھا اور چونکہ خسرو ملک دراصل ہندو[5] تھا اور ہندوؤں کی بہت جنبہ داری کرتا[6] تھا۔ اس لیے قاضی خان اُس سے ناراض رہتا۔ اور ہر موقع پر بادشاہ سے عرض کیا کرتا تھا۔ کہ اُس سے خبردار رہنا چاہیے، لیکن بادشاہ نہ سُنتا تھا۔ اور کہتا تھا یہ ذکر نہ کیجیے۔ ایک روز خسرو خان نے بادشاہ سے کہا کہ بعض ہندو مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ اُس وقت کا یہ دستور تھا۔ کہ جب کوئی ہندو مسلمان ہونا چاہتا تھا تو وہ پہلے بادشاہ کے سلام کو حاضر ہوتا تھا، بادشاہ کی طرف سے اُس کو خلعت اور سونے کے کنگن انعام میں ملتے تھے[7]،

---

[1] سلطان غیاث الدین تغلق۔ [2] وہی صورت تھی جو "محمود و ایاز" کی تھی۔ [3] یہ قاضی خاں قطب الدین کا اُستاد تھا۔

[4] کیونکہ وہ اس کی غداری کا اداشناس تھا۔

[5] بظاہر مسلمان، بہ باطن ہندو۔

[6] اسی لیے ہر معاملہ میں ہندوؤں کو آگے بڑھاتا تھا، ورنہ "نو مسلمانہ جوش" تو مشہور ہے،

[7] دوسرے مؤرخین کا بیان ابن بطوطہ سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خسرو خاں نے اپنے وطن گجرات سے چالیس ہزار ہندو بلا کر ملازم رکھ لیے تھے، اور پھر موقع پا کر انہیں محل میں داخل کر لیا، اور بادشاہ کو قتل کر دیا، لیکن ابن بطوطہ کی روایت زیادہ قرین قیاس ہے۔

بادشاہ نے کہا اندر لے آؤ۔ خسرو ملک نے کہا وہ رات کو آنا چاہتے ہیں۔ دن میں اپنے رشتہ داروں سے شرم کرتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اچھا رات کو لے آؤ۔ خسرو ملک نے اچھے اچھے بہادر ہندو منتخب کیے۔ جن میں اُس کا بھائی خان خاناںؔ بھی تھا۔ موسم گرمی کا تھا۔ بادشاہ سب سے اونچی چھت پر تھا اور اُس وقت اُس کے پاس سوا چند غلاموں کے اور کوئی نہ تھا۔ جب وہ چار دروازوں کے اندر چلے آئے اور پانچویں دروازے پر پہنچے تو اُن کو مسلح دیکھ کر قاضی کو شک ہوا اُس نے روکا اور کہا اخوند عالم کی اجازت لے آؤں۔ اُن لوگوں نے ہجوم کر کے قاضی خاں کو مار ڈالا۔ غل جو ہوا تو بادشاہ نے پوچھا کیا ہے۔ خسرو ملک نے کہا کہ وہ ہندو آتے ہیں اور قاضی خاں اُن کو روکتا ہے۔ کچھ تکرار ہو گئی ہے۔ بادشاہ خائف ہو کر محل کی طرف چلا دروازہ بند تھا۔ اُس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پیچھے سے خسرو خاں نے اُس کو قابو میں کر لیا۔ بادشاہ زبردست تھا۔ اُس کو نیچے دبا بیٹھا اتنے میں وہ ہندو آ گئے۔ خسرو خاں نے پکار کر کہا کہ بادشاہ نے مجھے نیچے دبا رکھا ہے۔ انہوں نے بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور اُس کا سر کاٹ کر صحن میں پھینک دیا۔

خسرو خان

ایک نو مسلم جو مرتد ہو گیا اور جس نے خلجی خاندان کا خاتمہ کر دیا

خسرو خاں نے اُسی وقت امیروں اور افسروں کو بلا بھیجا اُن کو کچھ معلوم نہ تھا[2] وہ جو داخل ہوئے تو خسرو ملک تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُن سب سے اُس نے بیعت لی اور صبح تک اُن کو جانے

---

[1] یہ بھی بھائی کے نقش قدم پر چلتا تھا۔

[2] بادشاہ کو قتل کرتے ہی راتوں رات امراء اور اعیان شہر کو محل میں طلب کر کے بیعت لے لینا اور اپنے اعلان شاہی تک کسی کو باہر نہ نکلنے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص کتنا زیرک اور ہوش مند تھا۔

نہ دیا۔ صبح ہوتے ہی مشتہر کروادیا اور دارالخلافہ سے باہر تمام امیروں کے نام پروانے بھیجے اور گراں بہا خلعتیں بھی روانہ کیں۔ سب نے اُس کی اطاعت منظور کر لی، لیکن تغلق شاہ[1] نے جو دیپالپور[2] کا حاکم تھا۔ خلعت پھینک دیا اور اُس کے اوپر بیٹھ گیا۔ خسرو ملک نے اپنے بھائی خان خانان کو بھیجا تغلق شاہ نے اُس کو شکست دی۔

جب خسرو ملک بادشاہ ہوا تو اُس نے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دئے اور حکم دیا کہ تمام ملک میں کوئی گائے ذبح نہ کرنے پائے، ہندو گائے کا مارنا جائز نہیں رکھتے اگر کوئی گائے ذبح کر لیتا ہے تو اُس کو یہ سزا دیتے ہیں کہ اُسی گائے کی کھال میں سلوا کر جلا دیتے ہیں۔ یہ لوگ گائے کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں اور ثواب کے لیے بھی اور بطور دوا کے بھی اُس کا پیشاب پیتے ہیں۔ اور گوبر سے گھر اور دیواریں لیپتے ہیں۔ خسرو خاں چاہتا تھا کہ مسلمان بھی ایسا ہی کریں اِس لیے لوگ اُس سے متنفر ہو گئے اور سب نے تغلق شاہ کی طرف داری کی[3]۔

شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سُنا ہے کہ تغلق قوم سے ترک قرونہ تھا[4]۔ یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ تغلق بہت مفلس تھا۔ سندھ میں آیا تو کسی سوداگر کا گلوان (گلہ بان) ہو گیا۔ یہ سلطان علاء الدین کے زمانے کا ذکر ہے۔ اُن دنوں بادشاہ کا بھائی اولوخاں (الغ خاں) سندھ کا حاکم تھا۔ تغلق اُس کے خادموں میں داخل ہو گیا۔ پہلے پیادوں میں بھرتی ہوا۔ پھر الغ خاں کو اس کی شرافت معلوم ہوئی تو سواروں میں ترقی دی۔ پھر اُس کو افسر بنا دیا۔ اور پھر میر آخور یعنی اصطبل کا داروغہ بنا دیا۔ اور آخر کار اُمرائے عظیم الشان میں سے ہو گیا۔

میں نے ملتان میں تغلق کی بنائی ہوئی مسجد میں یہ کتبہ لکھا ہوا دیکھا ہے۔ کہ اُس نے اڑتیس ۳۸ دفعہ تاتاروں سے لڑ کر اُن کو شکست دی، اس لئے ملک غازی کا

---

[1] غیاث الدین تغلق۔

[2] یہاں شہنشاہ دہلی کی طرف سے وہ تاتاریوں کی متوقع یورشوں کو روکنے کے لیے مامور تھا، یہ واقعہ ہے کہ اس نے تاتاریوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ کبھی انہیں دہلی تک نہ پہنچنے دیا۔

[3] کیونکہ وہ ایک مرتد کی بادشاہت کسی طرح قبول نہیں کرسکتے تھے۔

[4] یہ دوغلی نسل ہوتی تھی۔ باپ ترک، ماں ہندی۔

کا خطاب حاصل کیا[1]۔ سلطان قطب الدین نے اُس کو دیپال پور کا حاکم مقرر کیا۔ اور اُس کے بیٹے جونا خاں کو میر آخور[2] کا عہدہ دیا۔ خسرو ملک نے بھی اسے اُسی عہدے پر قائم رکھا۔ جب تغلق نے خسرو ملک کے خلاف بغاوت کا ارادہ کیا اُس کے پاس تین سو سپاہی تھے۔ جن پر اسے کامل بھروسہ تھا۔ اُس نے کشلو خاں کو لکھا جو اُن دنوں ملتان کا حاکم تھا (ملتان وہاں سے تین منزل تھا) کہ تم میری مدد کرو اور اپنے ولی نعمت کے خون کا بدلہ لو۔ کشلو خاں نے جواب دیا کہ اگر میرا بیٹا خسرو خاں کے پاس نہ ہوتا تو میں بیشک تیری مدد کرتا۔

ملک غازی یعنی غیاث الدین تغلق نے فوراً اپنے بیٹے جونا خاں کو لکھا کہ میرا[3] ارادہ اس طرح پر ہے جس طرح ہو سکے کشلو خاں کے بیٹے کو ساتھ لے کر دہلی سے نکل آؤ۔ ملک جونا سوچتا تھا کہ کیا حیلہ کروں اتفاق سے اُسے موقع مل گیا۔ اور وہ یہ تھا کہ خسرو ملک نے اُس سے ایک روز یہ کہا کہ گھوڑے بہت موٹے ہو گئے اور بدن ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں ذرا دوڑایا کرو، چنانچہ ہر روز ملک جونا گھوڑے لے کر پھیرنے جایا کرتا تھا کبھی ایک گھنٹے میں واپس آجاتا اور کبھی تین گھنٹے میں۔ ایک روز ظہر کے وقت تک واپس نہ آیا کھانے کا وقت آگیا۔ بادشاہ نے سواروں کو حکم دیا کہ اُس کی خبر لائیں۔ انہوں نے واپس آکر کہا کہیں پتہ نہیں چلا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کے پاس بھاگ گیا۔ اور اُس کے ساتھ کشلو خاں کا بیٹا بھی چلا گیا۔

تغلق نے اپنے بیٹے کے پہنچتے ہی بغاوت کا اعلان کر دیا اور اُس نے کشلو خاں کی مدد سے لشکر کی فراہمی شروع کی۔ بادشاہ نے اپنے بھائی خان خاناں کو اُن کی لڑائی کے لیے روانہ کیا لیکن وہ شکست کھا کر واپس ہوا اور اُس کے ہمراہی مارے گئے اور خزانہ اور اسباب تغلق کے ہاتھ لگا۔ تغلق دہلی کی طرف بڑھنے لگا اور خسرو اپنے لشکر کے ساتھ اُس کے مقابلے کو شہر سے نکلا اور موضع آسیاباد میں خیمہ زن ہوا۔ اُس نے دل کھول کر خزانہ لٹایا اور لوگوں کو اور لشکر کو تھیلیاں کی تھیلیاں روپیوں کی بخش دیں۔ ہندوؤں نے جو خسرو خاں کے لشکر میں تھے بڑی جراءت سے مقابلہ کیا چنانچہ تغلق کا لشکر بھاگ گیا۔ اور اُس کا ڈیرہ لُٹ گیا۔

---

[1] غازی کا خطاب اسی کو ملتا تھا، جس نے غیر معمولی کارنامے انجام دیے ہوں۔

[2] داروغہ اصطبل، یہ بہت بڑا منصب تھا۔

[3] جونا خاں یعنی محمد تغلق اس ناگہانی انقلاب کے وقت دہلی میں اپنی ڈیوٹی پر تھا۔ اور انقلاب کے بعد باپ کے پاس پہنچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

تغلق نے اپنے تین سو جانباز ہمراہیوں کو جمع کیا اور کہا کہ اب بھاگنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ چنانچہ جب خسرو کا لشکر لوٹ میں مشغول ہو گیا۔ اور اُس کے پاس تھوڑے سے آدمی رہ گئے تھے تغلق اپنے ہمراہیوں کو لے کر اُس پر جا پڑا۔ ہندوستان میں بادشاہ کی جگہ چھتر سے پہچانی جاتی ہے۔ چھتر کو مصر میں طیر یا قبہ کہتے ہیں۔ اور فقط عید کے روز بادشاہ سر پر لگاتا ہے۔ لیکن ہندوستان اور چین میں سفر میں ہوں یا وطن میں، چھتر ہمیشہ بادشاہ کے سر پر رہتا ہے۔ جب تغلق بادشاہ پر جا پڑا تو بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ بادشاہ کا لشکر بھاگ گیا اور کوئی ساتھی نہ رہا۔ بادشاہ اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا اور کپڑے اور ہتھیار اُتار کر پھینک دیے اور سر کے بال پیچھے کو لٹکا لیے جیسا ہندوستان کے فقیر لٹکاتے ہیں۔ اور ایک باغ میں جا گھسا۔

لوگ تغلق کے پاس جمع ہو گئے وہ شہر میں آیا کوتوال نے شہر کی کنجیاں اُس کے سپرد کیں وہ محل میں داخل ہوا اور اُس کے ایک گوشہ میں ڈیرہ کیا۔ اور کشلو خاں سے کہا کہ تو بادشاہ بن جا[1]۔ کشلو خاں نے کہا نہیں تو بادشاہ بن[2]۔ دونوں تکرار کر رہے تھے۔ کشلو خاں نے کہا کہ اگر تو بادشاہ ہونا نہیں چاہتا تو تیرے بیٹے کو ہم بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ یہ بات تغلق کو منظور نہ تھی۔ خود بادشاہ بننا قبول کیا اور تخت پر بیٹھ کر بیعت لینا شروع کی۔ سب خاص و عام نے اس کی بیعت کی۔

خسرو خاں تین دن تک برابر باغ میں چھپا رہا۔ تیسرے دن بھوک سے بیقرار ہوا اور باہر نکلا تو باغبان سے کھانے کو مانگا۔ اُس کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ خسرو نے اُسے اپنی انگشتری دی اور کہا اُس کو گروی کر کے کھانا لے آ۔ جب وہ بازار میں آیا اور انگشتری دکھائی۔ لوگوں نے شبہ کیا کہ اسکے پاس ایسی انگوٹھی کہاں سے آئی۔ اسے کوتوال کے پاس لے گئے۔ کوتوال اُسے تغلق کے پاس لایا۔ تغلق نے اسکے ساتھ اپنے بیٹے جونا خاں کو بھیجا کہ خسرو کو گرفتار کر کے لے آئے۔ جونا خاں نے خسرو کو پکڑ لیا۔ اور اُسے ٹٹو پر سوار کر کے بادشاہ کے سامنے لایا۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے آ کر کھڑا ہوا تو کہا میں بھوکا ہوں۔ بادشاہ نے کہا شربت اور کھانا لاؤ۔ بادشاہ نے اس کو کھانا کھلایا پھر نبیذ پلایا اور پان دیا۔

---

[1] اس سے غیاث الدین تغلق کی بے لوثی ظاہر ہوتی ہے۔

[2] یہ کشلو خاں کی دوستی اور وفاداری کا ناقابلِ فراموش ثبوت ہے۔

ان دونوں میں سے کسی ایک کا بادشاہ بننا اس لیے قطعی تھا کہ اب خلجی خاندان کا کوئی فرد زندہ نہیں رہ گیا تھا، ورنہ تغلق کی خواہش یہی تھی کہ اپنے آقا زادے کو تخت نشین کرے۔

جب کھا چکا تو اُس نے تغلق بادشاہ سے کہا اے تغلق مجھے رسوا نہ کر اور شاہانہ سلوک میرے ساتھ کر۔ تغلق نے کہا بسروچشم اور حکم دیا کہ اُسی جگہ جہاں اُس نے قطب الدین کو قتل کیا تھا لے جا کر سر اُڑا دو اور اُس کے سر اور نعش کو چھت پر سے نیچے پھینک دو جیسا کہ اُس نے قطب الدین کو قتل کیا تھا۔ اُس کے بعد حکم دیا کہ اُس کو غسل دے کر کفن دو اور اُسی کے مقبرہ میں دفن کر دو۔[۱]

سُلطان غیاثُ الدّین تغلق

چار سال تک غیاث الدین سریرِ سلطنت پر متمکن رہا، یہ عادل اور فاضل شخص تھا۔ بادشاہ بننے کے بعد اپنے بیٹے[۲] کو مُلک تلنگ[۳] کے فتح کرنے کے لیے بھیجا، جس کی مسافت دہلی سے تین ماہ کی ہے، اُس کے ساتھ بہت بڑا لشکر دیا۔ اور بڑے بڑے امیر جیسے ملک تیمور اور ملک تگین اور ملک کافور مہردار اُس کے ہمراہ بھیجے۔ جب وہ تلنگانہ پہنچا تو بغاوت کا ارادہ کیا۔ اُس کا ایک مصاحب تھا۔ عبید[۴]، جو شاعر بھی تھا۔ اور فقیہ بھی تھا اور اُس سے کہہ دیا کہ تو لوگوں سے کہہ دے کہ بادشاہ کا انتقال[۵] ہو گیا۔ اُس کا گمان تھا کہ یہ خبر سُن کر تمام لشکر اور افسر مجھ سے بیعت کر لیں گے[۶] لیکن کسی نے اس خبر کو سچ نہ جانا۔

---

[۱] چونکہ خسرو خاں نے علانیہ ارتداد نہیں کیا تھا اسی لیے غیاث الدین تغلق نے اسے شک کا فائدہ دیا، اور مسلمان کی طرح دفن کیا، ہمارا زمانہ ہوتا تو خود غیاث الدین تغلق پر کفر کا فتویٰ لگ گیا ہوتا۔!

[۲] جونا خاں (محمد تغلق)۔ [۳] تلنگانہ (ورنگل)۔ [۴] ایک مسخرا اور ہجو گو شاعر۔

[۵] یہ صرف عبید کی شرارت تھی، اس میں محمد تغلق کا کوئی دخل نہ تھا۔

[۶] محمد تغلق جیسے سعادت مند بیٹے پر اس سے بڑا کوئی اتہام نہیں لگایا جا سکتا۔ ساری زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ باپ سے کبھی سرتابی کی ہو، چنانچہ ثقہ مورخین میں سے کوئی بھی اس سازش میں محمد تغلق کو شریک نہیں قرار دیتا، ابن بطوطہ نے یہ سُنی سنائی باتیں لکھ دیں۔

ہر ایک امیر نے مخالفت شروع کی اور اُس سے علیحدہ ہوگیا یہاں تک کہ جونا خاں کے ساتھ کوئی بھی نہ رہا۔[1] لوگوں نے اُسے قتل کر ڈالنے کا ارادہ کیا[2] لیکن ملک تیمور نے منع کیا۔ جونا خاں نے اپنے دس مصاحبوں کے ساتھ جن کو وہ یارانِ موافق کہا کرتا تھا۔ بھاگ کر دہلی کا راستہ لیا۔[3] بادشاہ نے اُس کو روپیہ لشکر دے کر پھر تلنگانہ کی طرف واپس بھیج دیا۔ بعد ازاں بادشاہ کو حقیقت معلوم ہوئی تو اُس نے عبید کو قتل کر ڈالا۔ ملک کافور مہردار کے لیے ایک نوکدار سیدھی لکڑی زمین میں گڑوا دی اور عبید کا سر نیچے کی طرف کر کے وہ لکڑی گردن میں چبھو کر لکڑی کے نوکدار سرے کو پسلی میں سے نکال دیا۔[4] باقیماندہ باغی امیر خوف سے بنگالہ میں سلطان ناصر الدین کے بیٹے سلطان شمس الدین کے پاس بھاگ گئے۔

جب سلطان شمس الدین کا انتقال ہوگیا۔ تو اُس کا ولی عہد سلطان شہاب الدین بنگالہ کا بادشاہ ہوا۔ لیکن اُس کے چھوٹے بھائی غیاث الدین بورہ نے اپنے بھائی کو معزول کیا۔ اور قطلو خاں اپنے دوسرے بھائی کو مار ڈالا۔ دوسرے بھائی شہاب الدین اور ناصر الدین بھاگ کر تغلق کے پاس آگئے۔ تغلق اُن کی مدد کے لیے اُن کے ساتھ گیا۔ اور اپنے بیٹے کو بطور نائب کے دہلی میں چھوڑ گیا۔ اور غیاث الدین بہادر کو قید کر کے اپنے ساتھ لیا۔ اور دہلی کی طرف واپس ہوا۔

دہلی میں سلطان نظام الدین ولی بدایونی[5] رہتے تھے۔ جونا خاں ہمیشہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا اور اُن سے دُعا کا خواستگار رہتا تھا۔[6] ایک روز اُس نے اُن کے خادموں سے کہا کہ جس وقت شیخ جذبہ اور

---

[1] اتنی بڑی سازش اور ساتھی کوئی نہیں۔

[2] یہ بھی افواہ ہے۔

[3] ایسی سازش کا ارتکاب کر کے جس کی سزا قتل تھی بھاگا بھی تو کہاں؟ دہلی کی طرف باپ کے پاس، جس کے خلاف سازش کی تھی اسی کے دامن میں پناہ لینے؟ اس روایت کو اگر درایت کی کسوٹی پر کسا جائے تو بالکل غلط ثابت ہوتی ہے۔

[4] عبید وغیرہ کی سازش کا حال خود محمد تغلق نے ایک سعادت مند بیٹے کی طرح باپ کو بتا دیا تھا۔ بلکہ فرشتہ تو یہاں تک لکھتا ہے کہ اس نے عبید اور ملک کافور کو گرفتار کر کے باپ کے پاس بھیج دیا، جس نے وہی سزا دی جو اُس زمانے میں باغیوں کو دی جاتی تھی، محمد تغلق کا دامن اس سازش سے ذرا بھی آلودہ ہوتا تو غیاث الدین جیسا شخص ہرگز اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔

[5] سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا دراصل بدایوں کے رہنے والے تھے۔

[6] محمد تغلق ہمیشہ سے دینداری کی طرف مائل تھا۔

وجد کی حالت میں ہوں تو مجھے خبر کرنا۔ چنانچہ جب ایسا موقع آیا تو انہوں نے جونا خاں کو خبر کی۔ وہ حاضر ہوا۔ شیخ صاحب نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ہم نے تجھ کو سلطنت بخشی اسی عرصے میں شیخ کا انتقال ہوگیا۔ تو جونا نے اُن کے جنازہ کو کندھا دیا۔ یہ خبر بادشاہ کو بھی پہنچی تو وہ بہت ناراض ہوا[1]۔ علاوہ ازیں جونا خاں کی تالیفِ قلوب اور سخاوت اور غلاموں کی زیادہ خریداری سے اور اسی طرح اور امور کے باعث بادشاہ پہلے بھی ناراض رہتا تھا۔ اب اور بھی زیادہ خفا ہوا اسے یہ خبر بھی پہنچی کہ کسی منجم نے یہ بھی کہا ہے کہ بادشاہ اس سفر سے زندہ واپس نہیں آئے گا۔

جب دارالخلافہ کے قریب پہنچا تو جونا خاں کو حکم بھیجا کہ اس کے واسطے ایک نیا محل افغان پور میں تیار کرا دے[2]۔ جونا خاں نے تین دن میں محل کھڑا کروایا۔ اُس کی بنا لکڑیوں کے ستونوں پر زمین سے بلندی پر رکھی۔ اُس میں اکثر لکڑی کا کام تھا۔ احمد بن ایاز نے جو بعد میں خواجہ جہاں کے لقب سے مشہور ہوا[3]۔ اور اُن دنوں میں بادشاہ کا میر عمارت تھا۔ اُس کی بنیاد ایسے انداز سے رکھی تھی کہ اگر اُس کے ایک خاص موقع پر ہاتھی کھڑا کیا جائے تو تمام مکان گر پڑے۔ بادشاہ اس محل میں آکر ٹھیرا اور لوگوں کی ضیافت کی۔ جب لوگ کھانا کھا کر چلے گئے تو جونا خاں نے بادشاہ سے اجازت طلب کی کہ میں ہاتھی پیش کرنا چاہتا ہوں[4]۔ چنانچہ ایک ہاتھی جو ساز و سامان سے مرصع تھا۔ سامنے لایا گیا۔ مجھ سے شیخ رکن الدین ملتانی ذکر کرتے تھے وہ اُس وقت بادشاہ کے پاس تھے اور بادشاہ کا لاڈلا بیٹا محمود بھی

---

[1] غیاث الدین تغلق حضرت سلطان المشائخ کی ذات گرامی کو اور ان کی مرجعیت عامہ کو اپنے لیے حد درجہ خطرناک سمجھنے لگا تھا۔ اسی لیے وہ ان سے خائف رہتا تھا۔ اور ان کا وجود دہلی میں برداشت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

[2] یہ نئی بات ابن بطوطہ نے لکھی ہے اور قرین قیاس بھی ہے۔

[3] یہ تلنگانہ کا راجکمار تھا جو سلطان المشائخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہوگیا تھا۔ اور آپکی دعا کی برکت سے غیر معمولی عروج و اقتدار کا حامل بنا۔

[4] نذر پیش کرنے کا قاعدہ خاندان شاہی میں ایسے مواقع پر عام تھا۔

[5] شیخ رکن الدین ملتانی اگرچہ ثقہ بزرگ تھے، لیکن وہ غلط رائے بھی قائم کر سکتے تھے، غلط نتیجہ بھی اخذ کر سکتے تھے۔ جبکہ دوسرے چوٹی کے مؤرخین ملا عبدالقادر بدایونی وغیرہ۔ جو کسی کو معاف کرنا نہیں جانتے، اس بیان کی تکذیب کر رہے ہیں،

اور یہ بات بھی عجیب ہے کہ زندگی بھر محمد تغلق کی دی ہوئی جاگیر، انعامات، اور بذل و کرم سے متمتع ہوتے رہنے کے باوجود وہ اپنے محسن و مربی کے خلاف اتنا سنگین الزام ایک پردیسی شخص کے سامنے نج کی صحبت میں لگاتے ذرا نہیں جھجکتے۔

وہیں تھا جونا خاں نے اُن سے کہا۔ کہ اے اخوند عالم نماز عصر کا وقت قریب ہے۔ آؤ نماز پڑھ لیں۔ چنانچہ وہ محل سے باہر نکل آئے اسی وقت ہاتھی کو لائے۔ ہاتھی کا محل میں پہنچنا تھا۔ کہ تمام مکان بادشاہ اور شہزادہ کے سر پر گر پڑا۔ شیخ کہتے ہیں کہ میں نے شور سُنا اور بغیر نماز پڑھے واپس چلا آیا۔ تو دیکھا محل گرا ہوا ہے۔ جونا خاں نے حکم دیا کہ تبر اور کسیاں لاؤ تا کہ کھود کر بادشاہ کو نکالا جائے اور اشارہ کر دیا کہ ذرا دیر سے لائیں[1]۔ چنانچہ جب کھودنا شروع کیا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ جب کھود کر دیکھا گیا۔ تو بادشاہ اپنے بیٹے کے اوپر جُھکا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کو موت سے بچانا چاہتا تھا۔ یعنی اُٹھا کر مکان سے نکالنا چاہتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ اُس وقت تک زندہ تھا لیکن اُس کا کام تمام کر دیا گیا[2]۔ راتوں رات مقبرہ میں جو اُس نے تغلق آباد میں اپنے لیے بنوایا تھا پہنچا دیا اور وہاں دفن کیا گیا۔

تغلق آباد کے بنانے کا سبب میں پہلے بیان کر آیا ہوں۔ اس شہر میں بادشاہ کا خزانہ اور محل تھے۔ اس قلعہ میں بادشاہ نے ایک ایسا بڑا محل تیار کرایا تھا کہ اُس کی اینٹوں پر سونا چڑھا ہوا تھا جس وقت سورج طلوع ہوتا تھا اُس کی دمک سے کوئی شخص محل کی طرف نظر جما کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُس میں بادشاہ نے بہت سامان جمع کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس میں ایک حوض بنوا کر سونا پگھلا کر بھروا دیا تھا کہ وہ جم کر ایک ڈلا ہو گیا تھا۔ اُس کے بیٹے نے وہ تمام سونا صرف کیا۔ چونکہ خواجہ جہاں نے اُس کو شک کے بنانے میں جس کے گرنے سے بادشاہ مرا بڑی صنعت ظاہر کی تھی۔ اس لیے خواجہ جہاں کے برابر کسی کی بادشاہ کے دل میں جگہ نہیں تھی۔ اور کوئی شخص اس کی برابری نہیں کر سکتا تھا[3]۔

---

[1] یہ بھی غلط ہے۔

[2] یہ اور زیادہ غلط ہے۔

[3] خواجہ جہاں پر محمد تغلق اس لیے زیادہ مہربان تھا کہ ایک تو وہ نو مسلم تھا، دوسرے اس کا خواجہ تاش تھا، یعنی حضرت سلطان المشائخ کا محبوب مرید بھی تھا۔

ابو المجاہد

سلطان ابن محمد شاہ تغلق

ملک الہند و سند

تغلق کے حالات و کوائف، مزاج و طبیعت، نظم مملکت اور اصول فرمانروائی و اوصاف و شمائل سے متعلق ابن بطوطہ کے مشاہدات و تاثرات

تصویر کے ۲ دو رُخ

پہلا رُخ

بذل وعطا، جود وکرم، بخشش وسخا، انسانیت نوازی غریب پروری، اور رحم پر ہمدردی، کی حیرت انگیز اور نادر مثالیں۔

بادشاہ والاجاہ

عادات و خصائل اور اخلاق و شمائل کا ذکر

غیاث الدین کے بعد محمد تغلق بلا تنازع اور بغیر کسی مخالفت کے تخت پر متمکن ہو گیا۔ میں پہلے کہہ آیا ہوں کہ اس کا اصلی نام جونا خان تھا۔ تخت شاہی پر جلوس کے بعد اس نے اپنا نام ابوالمجاہد محمد شاہ رکھا۔ بادشاہان سابق کا جو میں نے حال لکھا ہے۔ اس کا اکثر حصہ شیخ کمال الدین بن برہان غزنوی قاضی القضاۃ سے سنا ہے لیکن اس بادشاہ کی بابت جو کچھ لکھ رہا ہوں، وہ میرا چشم دید ہے۔

یہ بادشاہ خونریزی اور جا بیجا سخاوت میں مشہور ہے۔ کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ کوئی فقیر امیر نہیں بن جاتا اور کوئی زندہ آدمی قتل نہیں کیا جاتا۔ اس کی سخاوت اور شجاعت، سختی اور خونریزی کی حکایات عوام الناس کی زبان زد ہیں۔ بایں ہمہ میں نے اس سے زیادہ متواضع اور منصف کسی اور کو نہیں دیکھا۔ شریعت کا پابند ہے اور نماز کی بابت بڑی تاکید کرتا ہے جو نہیں پڑھتا اسے سزا دیتا ہے۔ منجملہ ان سلاطین کے ہے جن کی نیک بختی اور مبارک نفسی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ میں اس کے احوال بیان کرنے میں بعض ایسی باتیں بیان کروں گا جو عجائبات معلوم ہوں گی لیکن خدا اور رسول اور ملائکہ کو گواہ کرتا ہوں کہ جو کچھ میں فوق العادات سخاوت اور کرم سے بیان کروں گا وہ سب کا سب درست ہے۔ اس کے مآثر کے سلسلے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ اسے مبالغہ خیال کرتے ہیں۔ لیکن جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ یا تو میری چشم دید ہے۔ یا میں نے اس کی صحت کی طرف سے اطمینان کر لیا ہے یا خود میرے سامنے گزرا ہے اور اس کی روایت تمام مشرق میں حد تواتر کو پہنچ گئی ہے[1]۔

قصرِ سلطانی یعنی قصر ہزار ستون کا ایک نظارہ

شاہی محل کو جو دہلی میں ہے دار سرا کہتے ہیں۔ کئی دروازوں میں سے ہو کر جانا پڑتا ہے۔ پہلے دروازہ

---

[1] ابن بطوطہ کے ان الفاظ میں جو بے بسی جھلک رہی ہے وہ قابل رحم حد تک دلچسپ ہے، (باقی اگلے صفحہ پر)

پر پہرہ کے سپاہی رہتے ہیں اور نفیری اور نقارے اور قرنا والے بھی بیٹھے رہتے ہیں۔ جس وقت کوئی امیر یا بڑا آدمی آتا ہے تو نقارے اور نفیری بجانا شروع کرتے ہیں۔ اور بجانے میں یہ آواز نکالتے ہیں۔ کہ فلاں شخص آیا۔ اور اسی طرح سے دوسرے اور تیسرے دروازہ پر ہوتا ہے۔ پہلے دروازہ کے باہر چبوترے ہیں۔ یہاں جلاد بیٹھے رہتے ہیں۔ جب بادشاہ کسی کے مارنے کا حکم دیتا ہے تو وہ محل ہزار ستون[1] کے سامنے مارا جاتا ہے۔ لیکن اس کا سر پہلے دروازہ کے باہر تین دن تک لٹکا رہتا ہے۔ پہلے اور دوسرے دروازہ کے درمیان ایک بڑی دہلیز ہے دونوں طرف چبوترے بنے ہوئے ہیں وہاں نوبت نقارے والے بیٹھے رہتے ہیں۔ دوسر دروازہ پر اس دروازہ کے پہرہ دار ہوتے ہیں۔ دوسرے اور تیسرے دروازہ کے درمیان ایک بڑا چبوترہ ہوتا ہے۔ اس پر نقیب النقباء بیٹھا رہتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک طلائی چھڑی ہوتی ہے۔ اور سر پر جڑاؤ اور طلا کار کلاہ جس کے اوپر مور کے پر لگے ہوئے ہوتے ہیں اور باقی نقیبوں کی کمر میں زریں پیٹی سر پہ طلا کار حاشیہ اور ہاتھ میں تازیانہ ہوتا ہے جس کا دستہ سونے یا چاندی کا ہوتا ہے۔ دوسرے دروازہ کے اندر ایک بڑا دیوان خانہ ہے یہاں عام لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ تیسرے دروازہ پر متصدی بیٹھے رہتے ہیں۔

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ :- واقعہ یہ ہے کہ اپنے طویل دور سیاحت میں، ایسا بیداد گر، اور ساتھ ہی ساتھ خلق و کرم کا پیکر کاہے کو کبھی نظر سے گزرا ہوگا ابن بطوطہ درویش صفت سیاح تھا،

فقیرانہ آئے صدا کر چلے

میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے!

لیکن یہاں آکر ایسا پھنسا کہ نہ پائے ماندن، نہ جائے رفتن، ـــ نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی!! لوگوں کو قتل ہوتا اپنی آنکھ سے دیکھتا تھا۔ اور اپنا انجام سامنے آجاتا تھا، نہ جانے کب شاہ کی نظر پھر جائے اور جسم و جان کا رشتہ منقطع ہو جائے، وہ یہاں مرنے نہیں آیا تھا۔ زندگی کا لطف اٹھانے آیا تھا، لیکن صورت حال یہ تھی کہ دن میں کئی کئی مرتبہ وفور ہیبت و دہشت سے مرنا پڑتا تھا،

ابن بطوطہ نے تغلق کے مزاج و طبیعت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے بالکل سچ ہے واقعی فرشتہ کے الفاظ میں وہ "مجموعہ اضداد تھا" قاتل بھی اور جاں بخش بھی، عالم بھی اور علماء و مشائخ کا دشمن بھی کبھی زنا کا مرتکب نہیں ہوا۔ ایک کے سوا دوسری شادی نہیں کی قرآن حفظ کرڈالا علوم عقلیہ میں اپنی مثال آپ شیریں کلام خوش تحریر پابند صوم و صلوٰۃ بلکہ نوافل و مستحبات تک کی پابندی میں متشدد لیکن شمشیر برہنہ، برق خرمن سوز قہر الٰہی کا نمونہ، ایسے بادشاہ کے ظل عاطفت میں رہ کر واقعی بیچارے ابن بطوطہ کا خون سوکھ گیا ہوگا۔

[1] تفصیل کے لیے سرسید کی آثار الصنادید سے رجوع کیا جائے۔

ان کا یہ کام ہوتا ہے ـــــــــ کہ کوئی شخص اندر آنے نہیں پاتا۔ جب تک اس کا نام ان کے رجسٹر میں درج نہ ہو ہر امیر کے ہمراہیوں کی تعداد مقرر اور درج ہوتی ہے۔ متصدی اپنے روزنامچہ میں لکھتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص اس قدر ہمراہیوں کے ساتھ فلاں وقت آیا۔ بادشاہ اس روزنامچہ کو عشا کی نماز کے بعد ملاحظہ کرتا ہے۔ اس روزنامچہ میں جو کچھ حادثات واقع ہوتے ہیں لکھے جاتے ہیں۔ بادشاہ کے بیٹوں میں سے ایک کی یہ ڈیوٹی ہوتی ہے کہ روزنامچہ پیش کرے۔

بادشاہ کا دربار

حضورِ سلطانی میں باریاب ہونیکے آداب و عوائد

یہاں کے عوائد میں یہ بھی ہے کہ جو امیر تین دن یا اس سے زیادہ بلا عذر یا کسی عذر سے غیر حاضر ہوتا ہے۔ تو وہ پھر دروازہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ بادشاہ کی خاص اجازت از سرِ نو حاصل نہ کی جائے۔ اگر وہ بیماری یا کسی عذر کے سبب سے نہ آ سکا تھا۔ تو جس روز آتا ہے اپنی حیثیت کے موافق ہدیہ یعنی نذر پیش کرتا ہے اگر مولوی ہو تو قرآن شریف یا اور کوئی کتاب۔ فقیر ہو تو مصلیٰ یا تسبیح یا مسواک امیر ہو تو گھوڑے یا اونٹ یا ہتھیار۔ تیسرے دروازہ کے اندر ایک بہت بڑا میدان ہے جس میں ایک دیوان خانہ بنا ہوا ہے۔ اس دیوان خانہ کا نام ہزار ستون ہے کیونکہ اس کی چھت جو لکڑی کی ہے، لکڑی کے ہزار ستون پر قائم ہے ان ستونوں پر روغن کیا ہوا ہے اور چھت میں بھی روغن ہے۔ اور طرح طرح کے نقش و نگار اس میں بنے ہوئے ہیں۔ سب لوگ اس مکان میں آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور بادشاہ بھی جلوس عام کے وقت اس میں آکر بیٹھتا ہے۔

بادشاہ کا جلوس دربار میں اکثر بعد عصر ہوتا ہے کبھی چاشت کے وقت بھی ہوتا ہے۔ بادشاہ کے جلوس کی جگہ ایک شہ نشین ہے۔ جو باقی مکان سے اونچا ہوتا ہے۔ اس پر چاندنی بچھی ہوئی ہوتی ہے۔ بادشاہ کی کمر کے پیچھے بڑا تکیہ اور دائیں بائیں دو ذرا چھوٹے تکئے ہوتے ہیں۔ اور نشست ایسی ہوتی ہے۔ جیسے آدمی

ا؎ گویا "دزیٹرس بک"۔

نماز کے قعدہ میں بیٹھتا ہے۔ اور یہی نشست اکثر اہل ہند کی ہے[1]۔ جب بادشاہ بیٹھ چکتے ہیں تو وزیر سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ کاتب وزیر کے پیچھے ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے حاجبوں کا سردار آج کل ملک فیروز بادشاہ کا چچا زاد بھائی ہے۔ اس کے پیچھے اس کا نائب ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد خاص حاجب اس کے بعد نائب خاص حاجب اور وکیل الدار اور اس کا نائب اور شریف الحجاب اور سید الحجاب اور ان کے بعد نقیب جو تعداد میں سو ہوتے ہیں۔

جب بادشاہ بیٹھ چکتا ہے تو حاجب اور نقیب بسم اللہ کہتے ہیں۔ بادشاہ کے پیچھے ملک قبولہ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں چنور ہوتا ہے۔ وہ مکھیاں ہلاتا ہے۔ بادشاہ کے دائیں ہاتھ پر سو مسلح جوان اور بائیں پر سو مسلح جوان ہوتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ڈھالیں اور تلواریں اور کمانیں ہوتی ہیں۔ اور دیوان خانہ کے طول میں دائیں اور بائیں قاضی القضاۃ اور اس کے بعد خطیب الخطبا پھر باقی قاضی اور پھر بڑے بڑے فقیہ۔ پھر سید پھر مشائخ پھر بادشاہ کے بھائی اور داماد اور ان کے بعد بہت بڑے بڑے امیر پھر پردیسی اور ایلچی۔ اور پھر فوج کے افسر کھڑے ہوتے ہیں۔

پھر ساٹھ گھوڑے آتے ہیں۔ زین اور لگام سمیت۔ تمام ساز و زیورات پہنے ہوئے بعضوں کی لگام اور حلقے سیاہ ریشم کے اور بعضوں کے سفید ریشم کے مرصع ہوتے ہیں۔ ان گھوڑوں پر بادشاہ کے سوا اور کوئی سوار نہیں ہوتا۔ ان میں سے آدھے تو دائیں اور آدھے بائیں طرف اس طرح کھڑے کئے جاتے ہیں کہ بادشاہ کی نظر سب پر پڑ سکے۔ پھر پچاس ہاتھی آتے ہیں جن پر طلائی اور ریشمی کپڑے پڑے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے دانتوں پر لوہا چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ ان سے اہل جرائم کے مارنے کا کام لیا جاتا ہے ہر ہاتھی کی گردن پر فیلبان ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکس ہوتا ہے جو طبرزین کہلاتا ہے۔ اس سے وہ ہاتھی کو ادب دیتا ہے اور ہر ہاتھی کی پشت پر ایک بڑا صندوق سا ہوتا ہے[2]۔ جس میں بیس یا کم زیادہ جیسا کہ ہاتھی ہو جنگی سپاہی بیٹھ سکتے ہیں۔

یہ ہاتھی سکھائے ہوتے ہیں۔ جس وقت حاجب بسم اللہ کہتا ہے۔ وہ سر جھکا کر تعظیم کرتے ہیں آدھے ہاتھی ایک طرف کھڑے کئے جاتے ہیں اور آدھے دوسری طرف۔ یہ ہاتھی لوگوں کے پیچھے کھڑے کیے جاتے ہیں۔ ہر شخص پہلے بادشاہ کے سامنے آتا ہے اور تعظیم کر کے اپنی مقررہ جگہ پر چلا جاتا ہے۔ اور

---

[1] یعنی دو زانو، یہ طرزِ نشست ادب اور نیائش کا آئینہ دار ہے۔

[2] ہودج۔

وہاں کھڑا ہو جاتا ہے۔ جب کوئی ہندو تعظیم کے لیے آتا ہے تو حاجب اور نقیب بجائے بسم اللہ، ہداک[1] اللہ کہتے ہیں،

بادشاہ کے غلام لوگوں کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں ڈھالیں اور تلواریں ہوتی ہیں۔ کوئی شخص ان میں سے ہو کر اندر داخل نہیں ہو سکتا بلکہ جو شخص آتا ہے وہ نقیبوں اور حاجبوں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے گزر کر آتا ہے۔ جب کوئی پردیسی یعنی غیر ملک کا باشندہ سلام کے لیے آتا ہے تو دروازہ پر اطلاع کرتا ہے سب سے آگے امیر حاجب اس کے پیچھے اس کا نائب پھر سید الحجاب اور شرف الحجاب ترتیب سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور تین دفعہ تعظیم بجا لاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ فلاں شخص سلام کے لیے حاضر ہے۔

جب اجازت ہوتی ہے تو اس کی نذر لوگوں کے ہاتھوں پر رکھی ہوئی اس طرح پیش کی جاتی ہے کہ بادشاہ کی نظر ان پر پڑ سکے۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ نذر دینے والے کو بلاؤ۔ وہ تین دفعہ تو بادشاہ کے قریب پہنچنے سے پہلے تعظیم کرتا ہے۔ اور پھر حاجبوں کے کھڑے ہونے کی جگہ پر پہنچ کر تعظیم کرتا ہے۔ اگر کوئی بڑا آدمی ہوتا ہے تو میر حاجب کی صف میں کھڑا ہوتا ہے۔ ورنہ اس کے پیچھے۔ اور بادشاہ اس کے ساتھ نہایت نرمی اور مہربانی کے ساتھ باتیں کرتا ہے اور اس کو مرحبا کہتا ہے اگر وہ تعظیم کے لائق ہوتا ہے تو بادشاہ اس سے مصافحہ کرتا ہے اور گلے لگا کر ملتا ہے اور اس کی نذر میں سے بعض چیزیں اپنے سامنے منگواتا ہے۔ اگر کوئی کپڑا یا ہتھیار ہوتا ہے تو اس کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے۔ اور دل جوئی کے لیے اس کی تعریف کرتا ہے۔ پھر خلعت دی جاتی ہے اور نذر دینے والے کے لیے درجہ کے موافق اس کی سرشوئی کے نام سے کچھ مقرر ہو جاتا ہے۔

جب کوئی سرکاری اہل کار نذر پیش کرتا ہے۔ یا کسی ملک کا خراج لاتے ہیں تو سونے کے برتن مثلاً طشت۔ آفتابے یا کوئی اور چیز بنواتے ہیں اور سونے کی اینٹیں بنوا لیتے ہیں جن کو خشت کہتے ہیں۔ فراش لوگ جو بادشاہ کے غلام ہوتے ہیں ان میں سے ایک ایک چیز یا اینٹ ہاتھ میں لے کر بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اگر ہاتھی نذر میں ہوتا ہے۔ تو وہ ہاتھی پیش کیا جاتا ہے۔ اسکے بعد گھوڑے معہ ساز و سامان کے۔ پھر خچر پھر اونٹ۔ اور ان سب پر مال لدا ہوا ہوتا ہے۔ جب بادشاہ دولت آباد سے تشریف لائے تو خواجہ جہاں وزیر نے نذر پیش کی۔ اس وقت میں بھی موجود تھا۔

---

[1] یعنی اللہ تجھے ہدایت دے۔

خواجہ جہاں نے شہر بیانہ سے باہر نکل کر اپنی نذر پیش کی۔ اس نے اسی ترتیب سے نذر دی تھی۔ جو میں نے ابھی بیان کی۔ اس نذر میں ایک سینی زمرد سے بھری ہوئی۔ اور ایک سینی موتیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس موقع پر بادشاہ ایران سلطان ابوسعید کا عم زاد بھائی اور حاجی گاؤں بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے اس نذر میں سے بہت سا حصہ اس کو بخش دیا۔

جشنِ عید

شہنشاہ ہندوستان کا جلوس نمازِ عید کیلئے

چاند رات کو بادشاہ اپنی طرف سے امیروں اور مصاحبوں اور مسافروں متصدیوں، حاجبوں اور نقیبوں، افسروں، غلاموں اور پرچہ نویسوں کے لیے ایک ایک خلعت ہر ایک کے درجے کے موافق بھیجتا ہے۔ جب صبح ہوتی ہے تو ہاتھی سجائے جاتے ہیں۔ ان پر ریشم کی طلائی اور جڑاؤ جھولیں ڈالی جاتی ہیں۔ سو ہاتھی خاص بادشاہ کی سواری کے ہوتے ہیں۔ ان پر ایک ایک چھتر ہوتا ہے۔ جو ریشم کا بنا ہوا اور جواہرات سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ ہر ایک چھتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی ہے اور ہر ہاتھی پر ایک ریشمی گدی مرصع بہ جواہرات رکھی جاتی ہے۔ ایک ہاتھی پر بادشاہ سوار ہوتا ہے اور اس کے آگے آگے زین پوش جن پر جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک علم بر بطور پرچم کے لے جاتے ہیں۔ ہاتھی کے آگے غلام اور مملوک پیادہ پا چلتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے سر پر چاچی ٹوپی (یعنی ساشیہ) ہوتی ہے اور کمر پر مطلا پیٹی۔ بعض پر جواہرات لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ کے آگے آگے نقیب بھی ہوتے ہیں جو تعداد میں تین سو ہوتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کے سر پر پوستین کی کلاہ ہوتی ہے۔ کمر میں طلائی پیٹی۔ اور ہاتھ میں تازیانہ جس کا دستہ سونے کا ہوتا ہے۔

صدر جہاں قاضی القضاۃ کمال الدین غزنوی اور صدر جہاں قاضی القضاۃ ناصر الدین خوارزمی اور تمام قاضی ذی رتبہ پردیسی عراقی خراسانی اور مغربی سب ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں اور تکبیر کہتے جاتے ہیں بادشاہ اس ترتیب سے محل شاہی کے دروازے سے نکلتے ہیں اور لشکر باہر منتظر ہوتا ہے ہر ایک امیر

اپنی فوج کو علیحدہ علیحدہ کھڑا کرتا ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ نوبت نقارے بھی ہوتے ہیں۔

سب سے پہلے بادشاہ کی سواری بڑھتی ہے۔ بادشاہ کے آگے آگے وہ لوگ جن کا ذکر میں کر آیا ہوں۔ اور قاضی اور مؤذن ہوتے ہیں جو تکبیر پڑھتے جاتے ہیں۔ بادشاہ کے پیچھے باجے والے ہوتے ہیں ان کے پیچھے بادشاہ کے خدمت گار۔ پھر بادشاہ کے بھائی مبارک خان کی سواری مع ان کی فوج اور باجے کے ہوتی ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کے بھتیجے بہرام خان کی سواری۔ اس کے بعد بادشاہ کے چچازاد بھائی ملک فیروز[1] کی۔ پھر ملک مجیر ذی الرجا کی پھر ملک قبولہ کی۔ یہ امیر بادشاہ کا نہایت مقرب اور منہ چڑھا ہے۔ اور بڑا دولت مند ہے۔ مجھ سے اس کا دیوان ملک علاء الدین مصری جو ابن سرشی کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ ذکر کرتا تھا۔ کہ اس کا اور اس کے لشکر اور خادموں کا خرچ چھتیس[۳۶] لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ پھر ملک نکبیہ کی پھر ملک بغرا کی۔ پھر ملک مخلص کی۔ پھر قطب الملک کی مع ہر ایک کے لشکر اور باجے والوں کے

بادشاہ قربانی بقرعید کے دن کس طرح کرتا ہے

یہ لوگ جن کا میں نے ذکر کیا۔ وہ امیر ہیں جو ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں رہتے ہیں۔ اور عید کے دن بادشاہ کے ساتھ نوبت نقارے لے کر جاتے ہیں اور باقی امیر بغیر نوبت کے جاتے ہیں اور وہ درجہ میں چھوٹے ہوتے ہیں اور ہر شخص عید کے دن جلوس میں مع اپنے گھوڑے کے زرہ پوش ہوتا ہے۔ جب بادشاہ عیدگاہ کے دروازے پر پہنچتے ہیں تو وہیں کھڑے ہو جاتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ قاضی اور مؤذن اور بڑے بڑے امیر اور ذی رتبہ پردیسی پہلے داخل ہو جائیں۔ بادشاہ بعد میں اترتا ہے۔ امام نماز شروع کرتا ہے۔ اور خطبہ پڑھتا ہے اور بقرعید ہوتی ہے تو بادشاہ نیزہ سے اونٹ کو نحر[2] کرتا ہے اور اس سے پہلے اپنے کپڑوں پر ایک ریشمی لنگی اوڑھ لیتا ہے۔ تاکہ کپڑوں پر خون کی چھینٹیں نہ پڑیں۔ یہ قربانی کر کے بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر محل واپس آجاتا ہے۔

---

[1] فیروز تغلق جو محمد تغلق کا جانشین بنا۔

[2] ذبح کرتا ہے۔

دربارِ عید

اسلامی شان اور تجمّل کے روح پرور نظارے

عید کے دن تمام دیوان خانہ میں فرش بچھایا جاتا ہے اور طرح طرح کی آرستگی کی جاتی ہے۔ اور دیوان خانہ کے صحن میں بارگاہ کھڑی کرتے ہیں وہ ایک بہت بڑا خیمہ ہوتا ہے جو بہت موٹے موٹے کھنبوں پر کھڑا کیا جاتا ہے اور اس کے چاروں طرف خیمے ہوتے ہیں اور ریشم کے بوٹے جن میں رنگ برنگ کے ریشمی پھول بڑے چھوٹے ہوتے ہیں لگائے جاتے ہیں۔ ان درختوں کی تین صفیں دیوان خانہ میں بناتے ہیں۔ درختوں کے درمیان ایک سونے کی چوکی رکھی جاتی ہے اور اس پر ایک گدی ہوتی ہے جس پر رومال پڑا ہوتا ہے۔

دیوان خانہ کے صدر میں ایک بڑا تخت رکھا جاتا ہے۔ یہ تخت خاص سونے کا ہے اس میں جواہرات جڑے ہوتے ہیں۔ ان کا طول ۲۲ بالشت کا اور عرض اس سے نصف ہے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ جب دیوان خانہ میں لگاتے ہیں تو ٹکڑوں کو جوڑ لیتے ہیں۔ ایک ایک ٹکڑے کو کئی کئی آدمی اٹھاتے ہیں۔ اس کے اوپر ایک کرسی بچھاتے ہیں۔ اور بادشاہ کے سر پر چھتر لگاتے ہیں۔ جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے تو نقیب اور حاجب بلند آواز سے بسم اللہ کہتے ہیں۔

پھر ایک ایک شخص سلام کے واسطے آگے بڑھتا ہے۔ سب سے پہلے قاضی اور خطیب اور عالم اور سید اور مشائخ اور بادشاہ کے بھائی اور نزدیکی اور رشتہ دار آگے بڑھتے ہیں۔ ان کے بعد پردیسی پھر وزیر پھر فوج کے بڑے بڑے افسر پھر بوڑھے بوڑھے غلام۔ پھر فوج کے سردار ہر ایک وہاں سے سلام کر کے واپس آتا ہے اور اپنی جگہ بیٹھ جاتا ہے۔ یہ بھی دستور ہے کہ عید کے دن جن لوگوں کے پاس جاگیریں دیہات ہیں وہ کچھ اشرفیاں لاتے ہیں اور رومال میں باندھ کر جس پر دینے والے کا نام ہوتا ہے۔ سونے کے تھالوں میں جو اس مطلب کے واسطے رکھے ہوئے ہوتے ہیں ڈالتے جاتے ہیں۔ اس طرح بہت سا مال جمع ہو جاتا ہے۔ اس میں سے بادشاہ جس کو چاہتا ہے بخشش کرتا ہے۔

جب سلام ہو چکتا ہے تو کھانا آتا ہے۔ عید کے دن بڑی انگیٹھی بھی باہر نکالتے ہیں۔ وہ برج کی شکل کی خالص سونے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے بھی ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ جب باہر نکال کر رکھتے ہیں تو ٹکڑے جوڑ لیتے ہیں۔ اس میں تین خانے ہوتے ہیں۔ اس میں فراش داخل ہو کر عود اور الائچی

اور عنبر جلاتے ہیں۔ اس خوشبو سے تمام دیوان خانہ مہک اٹھتا ہے ۔ غلاموں کے ہاتھوں میں سونے اور چاندی کے گلاب پاش ہوتے ہیں وہ حاضرین پر گلاب اور پھولوں کے عرق چھڑکتے ہیں ۔ یہ بڑا تخت اور انگیٹھی فقط عید کے دن باہر نکالے جاتے ہیں ۔

عید کے بعد بادشاہ ایک اور تخت پر جلوس کرتے ہیں وہ تخت زریں ہے ۔ یہ جلوس بارگہ کے تین دروازے ہوتے ہیں۔ بادشاہ ان کے اندر بیٹھتا ہے ۔ اول دروازے پر عماد الملک سرتیز کھڑا ہوتا ہے ۔ دوسرے دروازے پر ملک نکبہ اور تیسرے دروازے پر یوسف بغر اور دائیں بائیں اور امیر کھڑے ہوتے ہیں۔ بارگاہ کا کوتوال ملک طغی ہے ۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی چھڑیاں ہوتی ہیں ۔ اور اس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کی ۔ یہ دونوں اہل دربار کو اپنی اپنی جگہ بٹھاتے ہیں اور صفوں کو سیدھا کرتے ہیں۔ وزیر اور کاتب اس کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ حاجب اور نقیب بھی اپنی اپنی جگہ پر ہوتے ہیں ۔

اس کے بعد طوائف اور گانے بجانے والے آتے ہیں۔ سب سے پہلے راجاؤں کی بیٹیاں آتی ہیں جو اس سال لڑائی میں پکڑی ہوئی آتی ہیں ۔ اور اپنا گانا بجانا اور ناچ دکھاتی ہیں اور راگ سناتی ہیں۔ ان کو بادشاہ اپنے بھائی بندوں اور دامادوں اور شہزادوں پر تقسیم کر دیتا ہے ۔ یہ جلوس عصر کے وقت ہوتا ہے۔ دوسرے دن بھی جلوس عصر کے بعد اسی ترتیب سے ہوتا ہے ۔ عید کے تیسرے دن بادشاہ کے رشتہ داروں کے نکاح ہوتے ہیں اور ان کو جاگیریں انعام میں ملتی ہیں ۔ چوتھے دن غلام آزاد کیے جاتے ہیں ۔ پانچویں دن لونڈیاں آزاد کی جاتی ہیں چھٹے دن غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح ہوتے ہیں۔ اور ساتویں دن خیرات تقسیم کی جاتی ہے ۔

سفر سے واپسی پر

شہنشاہ کی سواری باد بہاری کا نظارہ

جب بادشاہ سفر سے واپس آتا ہے تو ہاتھیوں کو آراستہ کیا جاتا ہے اور سولہ ہاتھیوں پر زریں اور جڑاؤ چھتر لگائے جاتے ہیں اور آگے آگے زین پوش اٹھا کر لے جاتے ہیں اس میں بھی جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں لکڑی کے بڑے بڑے برج بناتے ہیں جس کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ ریشم کا کپڑا ان پر منڈھا ہوتا ہے ۔

ہر ایک درجہ میں لونڈیاں اچھے اچھے کپڑے اور زیورات پہن کر بیٹھتی ہیں۔ ہر ایک برج کے وسط میں چمڑے کا حوض ہوتا ہے جس میں گلاب کا شربت ہوتا ہے۔ یہ لونڈیاں ہر شخص کو خواہ شہری ہو یا مسافر پانی پلاتی اور جب وہ پانی پی چکتا ہے تو اس کو پان کی گلوری دیتی ہیں۔

شہر سے شاہی محل تک تمام رستے پر دونوں طرف کی دیواروں پر ریشمی کپڑے منڈھے ہوئے ہوتے ہیں اور راستہ پر ریشمی کپڑے کا فرش ہوتا ہے جس پر بادشاہ کا گھوڑا چلتا ہے۔ بادشاہ کے آگے ہزاروں غلام ہوتے ہیں اور فوج پیچھے پیچھے ہوتی ہے۔

اور بعض دفعہ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ہاتھیوں پر تین یا چار چھوٹی منجنیقیں چڑھا دیتے ہیں۔ اور ان کے ذریعے سے دینار اور درہم لوگوں پر پھینکتے ہیں اور یہ لوٹ شہر کے دروازے سے شاہی محل کے دروازہ تک ہوتی رہتی ہے۔

"شاہی دسترخوان!"

بر ایں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

(۱) بادشاہ کے محل میں دو طرح کا کھانا ہوتا ہے ایک خاص دوسرا عام۔ خاصہ وہ ہے کہ بادشاہ خود کھاتے ہیں اور اس میں فقط خاص خاص امیر اور بادشاہ کا چچازاد بھائی فیروز اور عماد الملک سرتیز اور میر مجلس یا پردیسیوں میں سے کوئی شخص جس پر بادشاہ کو خاص مہربانی کرنی منظور ہو شامل ہوتے ہیں۔ اور بعض وقت جب حاضرین میں سے بھی خاص کر کسی پر مہربانی کرنی منظور ہوتی ہے تو بادشاہ خود رکابی اٹھاتے ہیں اور اس پر ایک روٹی رکھ کر اپنے ہاتھ سے اس شخص کو دیتے ہیں۔ وہ بائیں ہتھیلی پر رکابی لیتا ہے اور دائیں ہاتھ سے سلام کرتا ہے۔ کبھی کبھی اس خاصہ میں سے کسی غیر حاضر شخص کا کھانا بھیجا جاتا ہے۔ وہ بھی اسی طرح لیتا ہے اور سلام کرتا ہے۔ جیسے کہ حاضر اور پھر اس کے پاس جتنے اشخاص حاضر ہوتے ہیں۔ ان سب کے ساتھ وہ اس کھانے کو کھاتا ہے۔ میں اس خاص کھانے میں بارہا شامل ہوا ہوں۔

(۲) یہ کھانا مطبخ سے لاتے ہیں اس کے آگے نقیب ہوتے ہیں جو بسم اللہ کہتے جاتے ہیں اور ان سب کے آگے نقیب النقبا ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی چھڑی ہوتی ہے۔ اور اس کے نائب

کے ہاتھ میں چاندی کی۔ جب نقیب چوتھے دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور دیوان خانہ میں موجود لوگ ان کی آواز سنتے ہیں تو سب کے سب کھڑے ہو جاتے ہیں اور سوا بادشاہ کے کوئی شخص بیٹھا نہیں رہتا۔

جب کھانا زمین پر رکھا جاتا ہے تو نقیب صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کا سردار سب کے آگے کھڑا ہو کر بادشاہ کی تعریف کرتا ہے۔ اور پھر زمین بوس کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ کل نقیب زمین بوس کرتے ہیں اور کل حاضرین زمین بوس کرتے ہیں۔ یہ بھی دستور ہے کہ جب یہ موقع ہوتا ہے اور نقیب کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو جو شخص چلتا ہوتا ہے۔ کھڑا ہو جاتا ہے اور کھڑا ہوتا ہے تو وہیں جم جاتا ہے۔ اور جب تک نقیب تعریف ختم نہیں کر چکتا، کوئی شخص حرکت نہیں کرتا نہ بولتا ہے۔ پھر اسی طرح اس کا نائب تعریف کرتا ہے۔ اور پھر سب حاضرین زمین بوس کرتے ہیں۔ اس کے بعد بیٹھ جاتے ہیں۔

متصدی سب حاضرین کے نام لکھ لیتا ہے۔ خواہ بادشاہ کو اس کے حاضر ہونے کا حال معلوم ہی ہو اور بادشاہ کے لڑکوں میں سے کوئی لڑکا یہ فہرست بادشاہ کے پاس لے جاتا ہے۔ اس کو دیکھ کر بادشاہ حکم دیتا ہے کہ فلاں امیر آج کھانا کھلا دے۔ ان کا کھانا چپاتیاں اور بھنا ہوا گوشت اور چاول اور مرغ اور سموسہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ دسترخوان کے صدر میں قاضی اور خطیب اور فقیہ اور سیّد اور مشائخ ہوتے ہیں اور ان کے بعد بادشاہ کے رشتہ دار اور بڑے بڑے امیر ترتیب وار بیٹھتے ہیں۔ اور ہر ایک شخص کی جگہ مقرر ہوتی ہے جس کو وہ خوب جانتا ہے اور اس لیے بالکل اژدہام نہیں ہوتا۔

جب سب لوگ بیٹھ چکتے ہیں تو شربدار آتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ میں سونے اور چاندی اور تانبے اور کانچ کے پیالے ہوتے ہیں جن میں شربت ہوتا ہے۔ کھانے سے پہلے شربت پیتے ہیں۔ جب پی چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتے ہیں۔ اس وقت کھانا شروع کیا جاتا ہے اور ہر شخص کے سامنے ہر قسم کے کھانے اور ایک رکابی موجود ہوتی ہے ایک رکابی میں دو شخص شامل نہیں ہوتے علیحدہ علیحدہ کھاتے ہیں۔ کھانے کے بعد فقاع یعنی نبیذ قلعی کے پیالوں میں لاتے ہیں۔ اور جب حاجب بسم اللہ کہتا ہے تو پینا شروع کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد پان چھالیہ لاتے ہیں ہر ایک آدمی کو ایک لپ بھر چھالیہ اور پندرہ پان کے بیڑے دیتے ہیں جن پر سرخ ریشم کا دھاگا بندھا ہوا ہوتا ہے۔ جب پان لے چکتے ہیں۔ تو حاجب پھر بسم اللہ کہتے ہیں اور سب کھڑے ہو جاتے ہیں اور جو امیر کھلانے پر مقرر ہوتا ہے۔ وہ زمین بوس کرتا ہے اور پھر سب حاضرین زمین بوس کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ دو دفعہ کھانا ہوتا ہے۔ ایک

تو ظہر سے پہلے اور دوسرا عصر کے بعد۔[1]

تغلق کی داستان جود وسخا

بادشاہ کی داد و دہش کے سلسلے میں، صرف انہی واقعات پر اکتفا کروں گا، جو میرے سامنے پیش آئے، جن کا میں نے مشاہدہ کیا، جن کا میں گواہ ہوں۔[2]

بات کی بات میں ایک پردیسی کو مالا مال کر دیا

گاوزدن[3] کا ایک ملک التجار پرویز تھا۔ شہاب الدین اس کا ایک دوست تھا۔ ملک پرویز کی جاگیر میں بادشاہ نے کنبایت[4] کا شہر دیا تھا۔ اور اس سے وعدہ کیا تھا کہ وزارت کا عہدہ دے گا۔ اس نے اپنے دوست شہاب الدین کو بلا بھیجا جب وہ آیا تو اس سے کہا کہ بادشاہ کے لیے نذر تیار کرے۔

اس نے جو نذر تیار کی اس میں ایک سراچہ یعنی ڈیرہ مشجر کا بنا ہوا تھا۔ جس پر زریں

---

[1] خاص دسترخوان پر دو سو اور عام دسترخوان پر بیس ہزار آدمی موجود رہتے تھے شاہی مطبخ میں ڈھائی ہزار بیل اور دو ہزار بھیڑ بکری کا گوشت ہر روز استعمال ہوتا تھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کے دسترخوان کی وسعت کا کیا عالم تھا، اور اس کے مصارف کی کیا کیفیت تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ آج یہ باتیں افسانہ نظر آتی ہیں، لیکن دور بے شک ایسا تھا، جب یہ افسانہ حقیقت اور واقعہ کی صورت میں موجود تھا،

[2] فرشتہ اس کے جود و عطا کا ذکر یوں کرتا ہے:

"در ہنگام بذل و ایثار غنی و فقیر، آشنا و بیگانہ در نظر ہمتش یکساں بودے،!"

[3] شیراز کے قریب ایک مقام۔

[4] اسے کھمبایت بھی کہتے ہیں۔ اب یہاں پٹرول بھی نکلا ہے تقسیم ہند کے بعد حکومت ہند نے مسلمان والی ریاست کو بے دخل کر دیا۔

لڑیاں لگی ہوئی تھیں اور جس کا سائبان بھی زربفت مشجر کا تھا۔ اور ایک خیمہ تھا۔ مع قنات وغیرہ کے ایک آرام گاہ تھی یہ سب چیزیں مشجر کمخواب کی بنی ہوئی تھیں۔ اور بہت سے خچر بھی تھے۔

جب شہاب الدین یہ سب چیزیں لے کر اپنے دوست ملک التجار کے پاس لایا تو وہ بھی ملک کا خراج اور نذر لے کر چلنے کو تیار بیٹھا تھا۔ بادشاہ کے وزیر خواجہ جہاں کو معلوم تھا کہ بادشاہ نے پرویز سے وزارت دینے کا وعدہ کیا ہے، اور یہ بات اُسے نہایت ناگوار گزری تھی کیونکہ قبل ازیں کمبایت اور گجرات اُس کی جاگیر میں تھے اور اُس کے باشندوں سے اُس کا دلی تعلق تھا[1]۔ اُن میں اکثر ہندو تھے۔ اور بعضے بادشاہ سے سرکش بھی تھے۔

خواجہ جہاں نے کسی کو ورغلایا کہ ملک التجار کو راستہ میں مار ڈالو چنانچہ جب ملک التجار نذر اور خراج لے کر دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا تو ایک روز چاشت کے وقت کسی منزل میں اُترا اور تمام لشکر اپنی ضروریات کے لیے پراگندہ ہو گیا، جب اکثر لوگ سو گئے تو ہندوؤں کی ایک بڑی جماعت آپڑی ملک التجار کو قتل کر ڈالا، اور کل مال لوٹ لیا اور خزانہ اور نذر کو بھی نہ چھوڑا شہاب الدین کا بھی سب مال لوٹ لیا۔ لیکن وہ خود بچ گیا۔

پرچہ نویسوں نے یہ حال بادشاہ کو لکھا بادشاہ نے حکم دیا کہ نہروالہ کے خراج سے تیس ہزار دینار اسے دے دیے جاویں، اور وہ اپنے ملک کو واپس چلا جائے۔ شہاب الدین سے جب یہ کہا گیا، تو اُس نے کہا کہ میں بادشاہ کی زیارت کے لیے جاتا ہوں اور اُس کی دہلیز کو بوسہ دینا چاہتا ہوں۔ بادشاہ کو اُس کا جواب لکھا گیا۔ تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور اجازت دی کہ شہاب الدین دارالخلافہ کی طرف چلا آئے۔

جس روز دارالخلافہ پہنچا تو ہمیں بھی اُسی روز بادشاہ کے سامنے پیش ہونا تھا وہ بھی پیش ہوا۔ بادشاہ نے ہمیں بھی خلعت دی اور ٹھیرنے کا حکم دیا اور شہاب الدین کو بھی بہت کچھ دیا۔ ایک روز بادشاہ نے حکم دیا کہ مجھے چھ ہزار روپیہ دیا جاوے اور اُس روز دریافت فرمایا کہ شہاب الدین کہاں ہے؟ بہاء الدین فلکی نے کہا کہ اخوند عالم نمیدانم لیکن پھر کہا شنیدم زحمت دارد[2]۔ بادشاہ نے فرمایا کہ "بروہمیں زماں از خزانہ یک لک ٹنکہ بگیری پیش او ببری تا دل او خوش شود" بہاء الدین

---

[1] یہ اسی طرف کا رہنے والا تو مسلم تھا۔

[2] بیمار ہے۔

نے فوراً تعمیل کی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ جو اسباب ہندوستان کا بنا ہوا خریدنا چاہے خرید لے اور جب تک اُس کی خرید جاری رہے اور کوئی شخص نہ خریدے، اور یہ بھی حکم دیا کہ اُس کو تین جہاز مع اسباب اور زاد راہ کے دیے جائیں۔ شہاب الدین ہرمز میں پہنچا اور وہاں ایک عظیم الشان مکان بنوایا۔ اِس شہاب الدین کو میں نے شہر شیراز میں دیکھا کہ وہاں سلطان ابو اسحاق کی بخشش کا خواستگار تھا۔ اس وقت وہ کل مال خرچ کر چکا تھا۔ ہندوستان کی دولت کا یہی حال ہے۔ اوّل تو وہاں کی دولت کو بادشاہ باہر نہیں جانے دیتا اور اگر چلی بھی جاتی ہے تو خدا لینے والے پر کوئی نہ کوئی آفت بھیج دیتا ہے۔ چنانچہ شہاب الدین کی دولت بھی اُس جھگڑے میں جو اُس کے بھتیجوں کا بادشاہ ہرمز کے ساتھ تھا کُل کی کل جاتی رہی۔

خلیفہ عباسی کے قاصد سے حسن سلوک کی حیرت انگیز مثال

بادشاہ نے خلیفہ ابو العباس[1] کے پاس ملک مصر میں تحفے بھیج کر خلیفہ سے درخواست کی تھی کہ اُس کو ہندوستان اور سندھ کے ملک پر حکمرانی کرنے کا اجازت نامہ[2] بخشا جاوے اور یہ درخواست فقط اعتقاداً تھی خلیفہ ابو العباس نے ایک اجازت نامہ شیخ الشیوخ رکن الدین کے ہاتھ روانہ کیا۔ جب شیخ رکن الدین دار الخلافہ میں پہنچے تو بادشاہ نے اُن کے خیر مقدم اور خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا جب وہ اُس کے پاس آتے تھے تو تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔ جو کچھ اُس کو بطور بخشش کے دیا۔ اُس کی بھی کچھ حد نہیں تھی۔ ازاں جملہ گھوڑے کا تمام ساز یہاں تک کہ میخیں بھی سونے کی تھیں اور بادشاہ کا حکم تھا۔ کہ جب تم جہاز سے اُتر کر خشکی پر چلنا شروع کرو تو سونے کے نعل اپنے گھوڑے کے لگوا لینا۔

شیخ صاحب کھمبایت کی طرف چلے کہ وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر اپنے وطن تشریف لے جائیں۔ راستے میں قاضی جلال الدین نے بغاوت کی اور ابن الکولمی اور شیخ رکن الدین دونوں کو لوٹ لیا۔ یہ شیخ صاحب اپنی جان لے کر بادشاہ کے دربار میں پہنچے۔ بادشاہ اُن کو دیکھ کر ہنسا۔ مذاقاً یہ کہا کہ "آمدی زر بیری و باصنم

---

[1] اس اجازت کی ضرورت یوں پیش آئی کہ سلاطین ہند طبعاً زیادہ مذہبی تھے۔ وہ خلیفہ کو دنیائے اسلام کا فرماں روائے حقیقی سمجھتے تھے۔ اور اسکی اجازت کے بغیر بادشاہت غلط خیال کرتے تھے۔ چنانچہ محمود غزنوی، اور دوسرے ملوک و سلاطین نے خلیفہ سے سندِ بادشاہت بڑی عقیدت کیساتھ حاصل کی تغلق کو شروع میں تو اس کا خیال نہ آیا مگر جب آیا تو اپنی عقیدت مندی میں سب سے آگے بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ خلیفہ کے حق میں تخت حکومت تک سے دستبردار ہونے کو تیار ہو گیا۔

دلربا خوری زر نبردی و سر بہی" پھر کہا خاطر جمع رکھو میں دشمنوں پر چڑھائی کرتا ہوں اور جو کچھ انہوں نے تم سے لیا ہے اس سے دو چند سہ چند تم کو دوں گا۔ جب میں ہندوستان سے چل پڑا تو میں نے سُنا تھا کہ بادشاہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور پہلے سے زیادہ دیا۔

ایک واعظ شیریں بیان کو گراں بہا تحائف دے ڈالے

واعظ ترمذی ناصر الدین بادشاہ کی خدمت میں اپنے وطن سے آیا اور عرصہ تک دار الخلافہ میں رہا، جب واپس جانے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے اجازت دی لیکن اب تک اُس کا واعظ سُننے کا اتفاق نہ ہوا تھا، رخصت کرنے سے پہلے وعظ سُننے کا ارادہ کیا۔ حکم دیا کہ سفید صندل مقاصری[1] کا ایک منبر تیار کیا جائے اس کی میخیں اور پتیاں سونے کی بنوائیں اور اُس کے اوپر ایک بڑا یاقوت لگوایا اور ناصر الدین کو ایک خلعت عباسی سیاہ رنگ زریں و مرصع اور ایک عمامہ پہننے کے لیے دیا اور وہ سراچہ میں بادشاہ تخت کے اوپر بیٹھا اُس کے دائیں بائیں خواص اور قاضی اور مولوی اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

واعظ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا پھر واعظ کہا۔ جو یوں ہی سا تھا۔ لیکن اندازِ بیان خوب تھا۔

جب واعظ منبر سے نیچے اُتر آیا بادشاہ اُس کی طرف بڑھا اسے گلے سے لگایا اور ہاتھی پر سوار کرایا سب کو حکم دیا جن میں میں بھی شامل تھا کہ اُس کے آگے آگے پیدل چلیں۔ اُس کو ایک سراچہ یعنی خیمہ میں لے گئے جو اُسی کے واسطے کھڑا کیا گیا تھا۔ اور بادشاہ کے خیمہ کے مقابل تھا۔ یہ خیمہ رنگا رنگ کے ریشمی کپڑوں کا بنا ہوا تھا۔ اُس کی رسیاں اور قنات بھی ریشم کی تھیں۔ خیمہ کے ایک طرف سونے کے برتن تھے جو سلطان نے اُس کو دئے تھے۔ اُن میں سے ایک تنور تھا اتنا بڑا کہ ایک آدمی بڑی آسانی سے اُس میں بیٹھ سکتا تھا۔ اور دو دیگیں تھیں۔ رکابیوں کی گنتی مجھے یاد نہیں رہی اور کئی آب خورے اور ایک لوٹا اور ایک تمی سندہ اور ایک خوان چار پاؤں والا اور ایک کتابوں کا صندوق یہ سب سونے کی چیزیں تھیں عماد الدین سمنانی نے خیمہ کی دو میخیں اُٹھا کر دیکھیں اُن میں سے ایک پیتل کی تھی دوسری قلعی کی ہوئی تانبے کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سونے اور چاندی کی ہیں، لیکن اصل میں سونے اور چاندی کی نہیں تھیں جس وقت یہ واعظ پہلے پہل آیا تو اُسے ایک لاکھ دینار دیے،

---

[1] جزیرہ مکاسر (جاوا)

اور دو سو غلام، جن میں سے کچھ تو اُس نے چھوڑ دئے اور کچھ رکھے۔

خلفائے عباسیہ سے عقیدت مندی کا والہانہ انداز

عبدالعزیز فقیہ اور محدث تھا۔ دمشق میں اُس نے تقی الدین ابن تمیمیہ اور برہان الدین ابرکے و جمال الدین مزی و شمس الدین ذہبی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی تھی پھر جب وہ بادشاہ کی خدمت میں آیا تو اُس نے اُس کی بہت خاطر تواضع کی۔ ایک روز اتفاق سے اُس نے حضرت عباس اور اُنکی اولاد کے فضائل میں کچھ حدیثیں بیان کیں اور کچھ خلفائے بنی عباس کا ذکر کیا۔ بادشاہ بنی عباس سے محبت رکھتا تھا۔ وہ حدیثیں بہت پسند آئیں۔ بادشاہ نے عبدالعزیز اردبیلی کی قدم بوسی کی اور حکم دیا کہ سونے کی تھالی میں دو ہزار اشرفی لاؤ اور وہ تھالی بھری بھرائی بادشاہ نے فقیہ کو دے دی۔

فی شعر ایک ہزار اشرفی کا بے مثال عطیہ

فقیہ شمس الدین اندگانی ایک حکیم اور شاعر تھا اُس نے ایک فارسی قصیدہ بادشاہ کی مدح میں پڑھا۔ جس کے ستائیس شعر تھے۔ بادشاہ نے اُس کو ہر بیت پر ہزار دینار دئے زیادہ سے زیادہ جو ہم نے ایسے عطیوں کی بابت سُنا تھا، وہ یہ تھا کہ کسی نے ہر شعر پر ہزار درہم دئے ہوں لیکن وہ عطا اس بادشاہ کی عطا کا دسواں حصہ تھا۔

ایک فاضل شخص کو بے طلب دس ہزار روپے بخش دئے

شونکاری عضدالدین اپنے وطن میں ایک مشہور فاضل تھا۔ جس کے علم و فضل کی شہرت تھی۔ بادشاہ نے بھی اُس کی تعریف سُنی۔ اُس کے پاس دس ہزار روپیہ گھر بیٹھے بھیج دیے نہ اُس نے کبھی بادشاہ کو دیکھا نہ اُس کے پاس قاصد بھیجا۔

قاضی مجد الدین کو گھر بیٹھے دس ہزار روپے بھیج دیا

جب بادشاہ نے قاضی مجدالدین دلی شیرازی کی تعریف سُنی، تو اُن کے پاس شیراز میں شیخ زادہ دمشقی کے پاس بھیج دیا۔

ایک پردیسی واعظ کو چالیس ہزار کا عطیہ

برہان الدین ساغرجی ایک واعظ تھا اور سخی ایسا تھا کہ جو کچھ اُس کے پاس ہوتا بھوکوں کو دے دیتا تھا بعض اوقات قرض لے کر سخاوت کرتا تھا۔ بادشاہ کو اُس کی خبر پہنچی اس کے پاس چالیس ہزار دینار بھیجے اور اُس سے ہندوستان آنے کی درخواست کی۔ برہان الدین نے وہ دینار لے لیے۔ اپنا قرض اُتار دیا اور آنے سے انکار کیا یہ کہا کہ بادشاہ ہند عالموں کو اپنے روبرو کھڑا رکھتا ہے۔ میں ایسے شخص کی ملازمت کرنا نہیں چاہتا۔ اور ملک خطا کی طرف چلا گیا۔

ایران کے ایک شاہزادے کے ساتھ حسن سلوک

حاجی گاون سلطان ابوسعید شاہ ایران کا چچازاد بھائی تھا۔ اور اُس کا بھائی موسیٰ عراق میں کسی جگہ کا حاکم تھا۔ اُس نے حاجی گاون کو ایلچی کے طور پر بادشاہ کے پاس بھیجا بادشاہ نے اُس کی بہت تعظیم کی اور بہت تعظیم کی اور بہت کچھ دیا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ وزیر خواجہ جہاں نے ہدیہ بھیجا۔ جس میں تین تھالیاں تھیں۔ ایک میں یاقوت تھے اور دوسری میں زمرد اور تیسری میں موتی۔ حاجی گاون بھی حاضر تھا۔ اُس میں سے بادشاہ نے حاجی گاون کو بہت سا مال دیا اور رخصت کے وقت بھی بہت دولت دی۔ جب حاجی گاون عراق گیا تو اُس کا بھائی فوت ہو گیا۔ اور اُس کی بجائے سلیمان حاکم بن بیٹھا تھا۔ حاجی گاون نے اپنے بھائی کا ورثہ طلب کیا۔ اور ملک کا بھی دعویٰ کیا۔ لشکر نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہ فارس کی طرف چلا گیا۔

جب شونکارے کے شہر میں پہنچا تو اُس کے مشائخ نے ملازمت میں کچھ دیر کی جب وہ حاضر ہوئے تو اُن سے دریافت کیا کہ تم جلدی کیوں نہیں آئے انہوں نے کچھ عذر کیا وہ عذر قبول نہ کیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا "تلج چکا" یعنی تلوار کھینچو انہوں نے تلوار نکال کر اُن کے سر اُڑا دیے یہ کافی لوگ تھے۔ قرب وجوار کے امیروں کو یہ بات ناگوار گزری انہوں نے شمس الدین سمنانی کو جو بڑا امیر اور فقیہ تھا خط لکھا اور اُس سے اعانت طلب کی وہ اپنا لشکر لے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور عوام الناس بھی مشائخ شونکارہ کے انتقام لینے کے لیے جمع ہوئے اور رات کے وقت حاجی گاون کے لشکر پر شبخون مارا اور اسے پراگندہ کر دیا۔ حاجی گاون محل میں شہر کے اندر تھا۔ اس کا محاصرہ کر لیا وہ غسل خانہ

میں جا چھپا لیکن اُس کو پکڑ لیا اور اس کا سر کاٹ کر سلیمان کے پاس بھیج دیا اور باقی اعضا تمام ملک میں تقسیم کر دیے۔

ابن خلیفۃ المسلمین دہلی میں

بادشاہ کی طرف سے خاطر مدارات اور عقیدت کے والہانہ واقعات

امیر غیاث الدین محمد عباسی بن عبد القادر بن یوسف بن عبد العزیز بن خلیفہ المستنصر باللہ عباسی بغدادی سلطان علاء الدین طرمیشرین بادشاہ ماوراء النہر کے پاس آیا۔ سلطان نے اُس کو حضرت قسم بن عباس کی خانقاہ کا متولی کر دیا۔ جہاں وہ کئی سال تک رہا۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ ہندوستان کو بنی عباس کے ساتھ محبت ہے۔ اس لیے اُس نے اپنی طرف سے محمد ہمدانی صوفی اور محمد بن ابی شرفی حربادی کو قاصد بنا کر بھیجا۔ یہ دونوں بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے قاصدوں کو پانچ ہزار دینار دیے اور امیر غیاث الدین کے واسطے تیس ہزار دینار بطور زادِ راہ کے روانہ کیے اور اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا اور ہندوستان کی طرف آنے کی درخواست کی۔

خط کے ملتے ہی غیاث الدین چل پڑا۔ اور جب ملک سندھ میں پہنچا تو پرچہ نویسوں نے بادشاہ کو خبر دی، بادشاہ نے دستور کے موافق استقبال کے لیے آدمی بھیجے۔ جب وہ سرسہ میں پہنچا تو قاضی کمال الدین صدر جہاں کو حکم دیا کہ استقبال میں کچھ فقیہ اپنے ساتھ لے کر اُس کی سواری کے ساتھ شامل ہو۔ پھر امیروں کو استقبال کے لیے بھیجا۔ جب وہ مسعود آباد پہنچا تو بادشاہ مع امیروں کے خود اُس کے استقبال کے لیے باہر آیا۔

جب ملاقات ہوئی غیاث الدین پیادہ ہو گیا۔ بادشاہ بھی سواری سے نیچے اُتر آیا۔ اور غیاث الدین نے حسب دستور زمین بوس کی تو بادشاہ نے بھی اسی طرح زمین بوس کی۔ امیر غیاث الدین کچھ نذر اپنے ساتھ لایا۔ اُس میں کپڑوں کے تھان بھی تھے۔ بادشاہ نے ایک تھان اپنے کندھوں پر ڈال لیا۔ اور جس طرح اور لوگ بادشاہ کی زمین بوس کرتے ہیں۔ اُسی طرح سلام کیا پھر گھوڑے آئے بادشاہ نے ایک گھوڑے کو پکڑ کر امیر کے سامنے کیا اور قسم دے کر کہا کہ آپ اس پر سوار ہو جائیں اور خود رکاب پکڑ کر

کھڑا ہو گیا۔ پھر بادشاہ سوار ہو گیا اور باقی ہمراہی بھی سوار ہو گئے اور شاہی چھتر اُن دونوں پر سایہ کے لیے کھڑا کیا گیا۔

پھر بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے امیر کو پان دیا۔ یہ سب سے بڑھ کر تواضع تھی۔ کیونکہ بادشاہ اپنے ہاتھ سے کسی کو پان نہیں دیتا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر میں خلیفہ ابوالعباس سے بیعت نہ کر چکتا تو آپ سے بیعت کرتا۔ غیاث الدین نے جواب دیا کہ میں خود ابوالعباس سے بیعت ہوں۔ امیر غیاث الدین نے تواضعاً فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ جس نے بنجر زمین کو زندہ کیا یعنی آباد کیا۔ وہ اُسی کی ملکیت ہوتی ہے۔ گویا بادشاہ کے احسانات نے ہمیں ازسرِنو زندہ کیا ہے۔ بادشاہ نے نہایت عجز سے اُس کا مناسب جواب دیا۔ جب اُس سراچہ یعنی خیمہ میں پہنچے جو بادشاہ کے لیے کھڑا کیا گیا تھا۔ تو بادشاہ نے ابن خلیفہ کو اُس میں ٹھہرایا۔ اور اپنے واسطے علیحدہ خیمہ لگوایا۔ اُس رات کو دارالخلافہ سے باہر رہے۔

دوسرے دن شہر میں داخل ہوئے اور سیری کا محل جو سلطان علاءالدین خلجی اور سلطان قطب الدین خلجی نے بنایا تھا۔ اُس کی سکونت کے لیے مقرر کیا اور بادشاہ مع امیروں کے خود محل میں گیا اور اُس کا تمام سامان مہیا کیا۔ اور اُس کے سامان میں علاوہ چاندی اور سونے کے برتنوں کے ایک طلائی حمام غسل کے واسطے تھا۔ پھر چار لاکھ دینار اُسی وقت بطور سرشوئی کے بھیجے گئے۔ اور لونڈی اور غلام اور لڑکے خدمت کے لیے بھیجے اور روزانہ خرچ کے لیے تین سو دینار مقرر کیا۔ ہر وقت دستر خوان خاص سے اُس کے لیے کھانا علاوہ جاتا تھا۔ سیری کا تمام شہر گھروں اور باغوں اور زمین اور گوداموں سمیت جاگیر میں دیا۔ اُس کے علاوہ سَو دیہات اور دیے۔ دہلی کے شرقی مقامات کی حکومت عطا کی اور تیس خچر زرین زینوں سمیت اُس کے پاس بھیجے اور اُن کا چارہ دانہ سرکاری گودام سے جاتا تھا۔ اُس کے واسطے حکم تھا کہ جب بادشاہی محل میں آوے گھوڑے سے ہرگز نہ اُترے اور جہاں تک بادشاہ سوار ہو کر آتے ہیں چلا جائے حالانکہ اور کسی کو محل میں سوار آنے کی اجازت نہ تھی، سب لوگوں کو حکم تھا۔ کہ جس طرح بادشاہ کو زمین بوس کرتے ہیں اِسی طرح اُس کی بھی تعظیم کیا کریں۔

جب وہ بادشاہ کی خدمت میں آتا تھا تو بادشاہ تخت سے نیچے اُتر آتا تھا۔ اور اگر چوکی پر ہوتا تھا تو کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور دونوں ایک دوسرے کی تعظیم کرتے تھے۔ بادشاہ اُس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا تھا اور جب وہ چلنے کو کھڑا ہوتا تھا تو بادشاہ بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ پھر بادشاہ

اُس کو سلام کرتا تھا۔ اور یہ بادشاہ کو جب مجلس سے باہر جاتا تھا، تو باہر اُس کے لیے ایک مسند بچھا دی جاتی تھی۔ اُس پر جتنی دیر چاہتا تھا بیٹھتا تھا۔ ہر روز دو دفعہ یہ ہوتا تھا۔

امیر غیاث الدین دہلی میں قیام پذیر تھا۔ کہ بنگالہ کا وزیر آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بڑے بڑے امیر اُس کا استقبال کریں اور پھر آپ بھی اُس کے استقبال کو نکلا، اور اُس کی بڑی تعظیم کی، اور جیسے بادشاہ کے شہر میں داخل ہونے کے وقت رونق ہوتی ہے ویسی ہی اس وقت ہوئی امیر غیاث الدین بھی یعنی ابن الخلیفہ بھی اُس کی ملاقات کو باہر آیا اور قاضی اور فقیہ اور مشائخ بھی، جب بادشاہ واپس ہو گئے، تو وزیر سے کہا کہ آپ مخدوم زادہ کے گھر جاویں۔ وزیر وہاں گیا اور دو ہزار اشرفی اور کپڑوں کے تھان پیش کیے اور اُس کے ساتھ امیر قبولہ اور میں بھی گیا تھا۔

ایک دفعہ بادشاہ کے پاس بہرام حاکم غزنی آیا۔ اُس کے ساتھ ابن الخلیفہ کی پرانی عداوت تھی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شاہ غزنی کو ایک مکان میں جو سیری میں ہے ٹھیرا دیں۔ یہ بھی حکم دیا کہ سیری میں بادشاہ غزنی کے لیے ایک نیا گھر بنایا جاوے۔ ابن الخلیفہ کو خبر ہوئی وہ غصہ ہو گیا۔ اور بادشاہ کے محل میں گیا۔ اور اپنی مسند پر حسب دستور جا کر بیٹھ گیا۔ اور وزیر کو بھیجا کہ اخوند عالم سے کہہ دو کہ جو کچھ آپ نے مجھے دیا ہے وہ میرے مکان میں موجود ہے میں نے اُس میں سے کچھ خرچ نہیں کیا بلکہ کچھ نہ کچھ زیادہ کیا ہو گا اور میں اب یہاں ٹھیرنا نہیں چاہتا' یہ کہہ کر ابن خلیفہ محل سے چل دیا۔ وزیر نے اُس کے دوستوں سے سبب دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اس سبب سے ناراض ہے کہ بادشاہ نے حاکم غزنی کے لیے سیری میں محل بنانے کا حکم دیا ہے۔

وزیر نے بادشاہ کو خبر کی۔ وہ اُسی وقت سوار ہو کر اور دس آدمی اپنے ہمراہ لے کر ابن الخلیفہ کے مکان پر آیا اور گھوڑے سے محل کے باہر اُتر کر اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ ابن الخلیفہ سے بادشاہ نے عذر کیا اور ابن الخلیفہ نے اُس کا عذر منظور کر لیا۔ لیکن بادشاہ نے کہا کہ میرا اطمینان نہیں ہوا کہ آپ خوش ہو گئے ہیں۔ جب تک آپ میری گردن پر پاؤں نہ رکھیں۔ ابن الخلیفہ نے کہا یہ میں ہرگز نہ کروں گا خواہ بادشاہ مجھے قتل کر ڈالے۔ بادشاہ نے اپنے سر کی قسم دلائی کہ یہ کرنا ہو گا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ ملک قبولہ نے ابن الخلیفہ کا پاؤں اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر بادشاہ کی گردن پر رکھ دیا۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا اور کہا اب مجھے تشفی ہو گئی کہ آپ راضی ہو گئے۔ ایسی عجیب و غریب حکایت میں نے آج تک کسی بادشاہ کے متعلق نہیں سُنی۔

عید کے دن میں بھی مخدوم زادہ کے سلام کو گیا۔ ملک کبیر بادشاہ کی طرف سے تین خلعت

لایا۔ چغوں میں تکموں کی جگہ جو ریشم کے ہوتے ہیں بیر برابر موتیوں کے بٹن لگے ہوئے تھے۔ ملک کبیر دروازہ پر کھڑا رہا جب ابن الخلیفہ محل سے نیچے اُترا تو اُس کو خلعت پہنایا۔ بادشاہ نے لاتعداد مال اور دولت دی تھی تاہم یہ شخص بڑا بخیل تھا۔ جس قدر بادشاہ میں سخاوت تھی۔ اُسی قدر یہ شخص بخیل تھا۔ میرے ساتھ ابن الخلیفہ کی نہایت گہری دوستی ہو گئی تھی میں اُس کے پاس بہت آیا جایا کرتا تھا۔ جب میں سفر کو چلا تو اپنے بیٹے احمد کو بھی اُس کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں اُس کا کیا حال ہوا۔

میں نے ایک روز کہا کہ آپ تنہا کیوں کھاتے ہیں اور دستر خوان پر اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو کیوں نہیں کھلاتے۔ اس نے جواب دیا کہ میں دیکھ نہیں سکتا کہ اس قدر آدمی میرا کھانا کھاویں۔ اور اِس لیے میں تنہا کھاتا ہوں۔ فقط اپنے کھانے میں سے محمد بن ابی الشرفی اپنے دوست کو کچھ دیا کرتا تھا۔ اور باقی کل آپ کھاتا تھا جب میں اُس کے گھر جاتا تھا۔ تو دیکھتا تھا۔ کہ دہلیز میں اندھیرا ہوتا تھا۔ چراغ نہیں ہوتا تھا۔ اور میں نے کئی دفعہ اُس کو اُپنے باغ میں تنکے جمع کرتے دیکھا۔ اُس نے ان تنکوں سے گودام بھر لیے تھے۔ میں نے کہا مخدوم زادہ صاحب یہ کیا کرتے ہو۔ اُس نے کہا کہ لکڑیوں کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

اپنے غلاموں اور نوکروں اور دوستوں سے باغ میں کام لیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ میرا کھانا مفت کھائیں۔ ایک دفعہ مجھ پر قرض ہو گیا۔ میں نے اُس سے قرض مانگا۔ ایک دن مجھ سے کہا کہ میں بہت چاہتا ہوں کہ تیرا قرضہ ادا کر دوں لیکن ہمت نہیں پڑتی۔ ایک دفعہ مجھ سے ذکر کرتا تھا کہ ہم چار آدمی بغداد سے باہر گئے۔ پیدل تھے۔ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ ایک چشمہ پر گزرے تو وہاں ایک درہم پڑا ہوا پایا۔ ہم نے سوچا کہ ایک درہم کا کیا کریں۔ آخر ہم سب نے اتفاق کیا کہ اُس کی روٹی خرید لیں۔ ایک آدمی روٹی خریدنے گیا۔ تو نان بائی نے کہا کہ میں روٹی اور بھوسہ دونوں ساتھ بیچتا ہوں اور علیحدہ علیحدہ نہیں دیتا۔ آخر ایک قیراط کی روٹی لی اور ایک قیراط کا بھوسہ۔ بھوسہ کی ہمیں ضرورت نہیں تھی اس لیے وہ پھینک دیا اور ایک لقمہ ہم نے روٹی کھالی۔ کہتا تھا اب خدا نے مجھے اس قدر دولت مند کر دیا ہے۔ میں نے کہا خدا کا شکر کر اور فقرا اور مساکین کو صدقہ دیا کر۔ کہنے لگا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

میں نے کبھی اُسے خیرات دیتے یا کسی کے ساتھ سلوک کرتے نہیں دیکھا۔ خدا ایسے بخل سے پناہ میں رکھے۔ ہندوستان سے جانے کے بعد میں بغداد میں گیا۔ اور مدرسۂ مستنصریہ کے دروازہ پر

بیٹھا ہوا تھا۔ جو اُس کے دادا خلیفہ المستنصر باللہ نے بنایا تھا۔ میں نے ایک جوان سقیم الحال کو دیکھا کہ وہ ایک اور شخص کے پیچھے جو مدرسہ سے نکلتا تھا۔ جلدی جلدی جارہا تھا۔ ایک طالب علم نے مجھ سے کہا کہ یہ جوان امیر غیاث الدین کا بیٹا ہے جو ہندوستان میں ہے۔ میں نے اس کو آواز دی اور کہا کہ میں ہندوستان سے آیا ہوں تیرے باپ کا حال تبا سکتا ہوں۔ اُس نے کہا میرے پاس حال ہی میں اُن کی خیر و عافیت آچکی ہے۔ اور وہ اُس شخص کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ شخص جس کے پیچھے یہ عباسی دوڑتا ہے۔ کون ہے اُس نے کہا یہ جیل خانہ کا ناظر ہے۔ اور یہ جوان کسی مسجد کا امام ہے اس مسجد سے اُس کو ایک درہم یومیہ ملتا ہے۔ اور اس شخص سے وہ اپنی اُجرت مانگتا ہے۔ مجھے نہایت تعجب ہوا اور میں نے سوچا کہ اگر ابن الخلیفہ اپنی خلعت کا ایک تکمہ اس کو بھیج دے تو اُس کو عمر بھر کے لیے غنی کر دے۔

ایک غریب الوطن امیر

جس پر تغلق نے نوازشوں کی بھر مار کردی
شہزادی فیروزہ کی سیف الدین سے شادی کا شاندار جشنِ طرب

سیف الدین عذا ابن ہبتہ اللہ ابن مہنّے امیر عرب[۱] (شام) بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اُس کا حد درجہ اکرام کیا۔ اور سلطان جلال الدین کے محل میں جو کوشکِ محل[۲] کے نام سے مشہور ہے اسے فروکش کیا۔ یہ محل بہت بڑا ہے اُس میں ایک بہت بڑا صحن ہے اُس کی دہلیز بہت بڑی ہے اس دہلیز پر ایک برج ہے جس سے اندر اور باہر کے دونوں صحن نظر آتے ہیں۔ سلطان جلال الدین اس برج میں بیٹھ کر اندر کے صحن میں چوگان بازی دیکھا کرتا تھا۔

---

[۱] یہ شخص عرب کے ایک نجیب خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ جس نے خلافت عباسیہ کو بحال کرنے میں بڑی جدوجہد کی تھی۔

[۲] سلطان جلال الدین خلجی نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ آثار الصنادید (سرسید) میں تفصیل موجود ہے۔

جب امیر سیف الدین کو اس محل میں ٹھیرایا گیا۔ تو میں نے یہ محل دیکھا۔ اسباب سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن تمام چیزیں بوسیدہ ہو گئی تھیں، ہندوستان میں دستور ہے کہ جب بادشاہ مرجاتا ہے تو اُس کا محل چھوڑ دیتے ہیں اور نیا بادشاہ اپنے لیے علیحدہ محل تیار کرواتا ہے اور اُس محل کی کوئی چیز جگہ سے نہیں ہٹاتا۔ عبرت کا مقام تھا۔ میرے آنسو نکل آئے۔ فقیہ جلال الدین مغربی غرناطی نے جو بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ اُس وقت میرے ساتھ تھے انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

وسلاطینہم سل الطین عنہم　　　　تاصوس العظام صادت عظاما

یعنی:۔

خاک رہ گئی مٹی سے ان بادشاہوں کا حال پوچھو　　　　جن کے بڑے سر ہڈی کا خول رہ گئے ہیں

اِس محل میں امیر سیف الدین کی شادی کا کھانا ہوا تھا۔ بادشاہ اہلِ عرب کا شیدائی تھا۔ اس امیر کے ساتھ بھی سلوک ہوا اور بارہا اُس کو بڑے بڑے عطیے بخشے ایک دفعہ ملک اعظم بایزیدی حاکم مانکپور کی نذر پیش ہوئی اُس میں گیارہ گھوڑے اصیل اور نجیب تھے بادشاہ نے امیر سیف الدین کو دے دیے اور پھر ایک دفعہ دس گھوڑے جن کے زین زریں اور لگام طلائی تھے۔ امیر کو دے دیے اور بعد ازاں اپنی بہن فیروزہ اخوندہ سے اُس کی شادی کر دی۔

جب بادشاہ نے حکم دیا کہ اُس کی بہن کی شادی امیر سیف الدین سے کی جاوے تو ولیمہ کی تیاری اور اخراجات کا کام ملک فتح اللہ شونویس کے سپرد کیا۔ اور مجھے حکم دیا کہ تم امیر سیف الدین کے ساتھ رہو، ملک فتح اللہ بڑے بڑے سائبان لایا اور اُس نے دونوں صحنوں پر سائبان لگائے اور ایک صحن میں ایک بڑا خیمہ لگایا اور اُس میں طرح طرح کے عمدہ فرش بچھائے اور شمس الدین تبریزی مطربوں اور طوائف کو لے کر آیا۔ یہ سب بادشاہ کے غلام اور لونڈیاں تھیں اور باورچی اور نان بائی اور حلوائی اور سقے۔ تنبولی حاضر ہو گئے جانور اور پرندے ذبح کیے گئے اور پندرہ دن تک سب لوگوں کو کھانا کھلایا گیا۔ اور بڑے بڑے امیر اور پردیسی دو وقت کھانے میں شامل ہوتے تھے۔

نکاح کی رات سے دو رات پہلے بادشاہ کے محل سے بیگمیں آئیں اور انہوں نے مکان آراستہ کیا اور اچھے اچھے فرش بچھائے اور امیر سیف الدین کو بلایا۔ یہ پردیسی تھا۔ اور اُس کا کوئی عزیز وہاں نہیں تھا۔ ان عورتوں نے اُس کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اُس کو ایک مسند پر بٹھایا۔

بادشاہ کے حکم سے اس کی سوتیلی ماں جو مبارک خاں کی ماں تھی امیر سیف الدین کی ماں بنی اور ایک بیگم بہن بنی اور تیسری بیگم پھوپھی بنی اور چوتھی خالہ تاکہ وہ سمجھے کہ اس کا تمام خاندان یہاں موجود ہے۔ انہوں نے اسے چوکی پر بٹھایا اور اُس کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی اور باقی عورتیں ناچتی گاتی رہیں۔ بیگمیں یہ سب سامان تیار کر کے دولہا دولہن کے سونے کے گھر میں چلی گئیں۔ اور وہ اپنے دوستوں سمیت باہر کے مکان میں رہا۔

بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ چند امیر اُس کی جماعت میں داخل ہوں اور چند دولہن کی جماعت میں۔ یہاں کا دستور ہے جس مکان سے دولہا دولہن کو اپنے ساتھ لاتا ہے اُس مکان کے دروازے پر دولہن کی جماعت کھڑی ہو جاتی ہے اور جب دولہا کی جماعت آتی ہے تو اُن کو داخل ہونے سے روکتے ہیں اگر وہ غالب ہو جاتے ہیں تو چلے جاتے ہیں اور اگر مغلوب ہو جاتے ہیں۔ تو اُن کو ہزاروں روپیہ انعام دینے پڑتے ہیں۔ نماز مغرب کے بعد امیر کے پاس نیلے ریشم کے خلعت لائے جو زربفت کے تھے۔ اور اس قدر جواہرات اُن پر جڑے تھے کہ کپڑے کا رنگ نظر نہیں آتا تھا اور ایسی ہی ایک کلاہ تھی۔ میں نے ایسی پوشاک کبھی نہیں دیکھی تھی اور جو پوشاکیں بادشاہ نے اپنے دوسرے دامادوں کو دیں جیسے عماد الدین سمنانی کو اور ملک العلما کے بیٹے کو اور شیخ الاسلام کے بیٹے کو اور صدر جہاں بخاری کے بیٹے کو کوئی اُس کے برابر نہ تھی۔

پھر امیر سیف الدین اپنے ساتھیوں اور غلاموں کو ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ پھر ایک چیز[1] جو تاج کے مشابہ تھی اور چنبیلی اور نسرین اور رائے بیل کے پھولوں کی بنی ہوئی تھی۔ اور جس کی جھالر منہ اور سینہ پر لٹکتی تھی لائے اور امیر سے کہا کہ اس کو سر پر رکھو، امیر نے انکار کیا کیونکہ وہ عرب کا صحرائی تھا میں نے کہا کہ میرا کہنا مان اور اُس کو قسم دلائی تو اس نے سر پر رکھ لیا۔ پھر سب لوگ حرم کے دروازہ پر پہنچے تو وہاں دولہن کی جماعت کھڑی تھی امیر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان پر حملہ کیا اور پچھاڑ پچھاڑ کر سب کو بھگا دیا۔ بادشاہ کو خبر پہنچی تو بہت خوش ہوا اور صحن میں داخل ہوا تو وہاں ایک منبر پر جو دیبا سے منڈھا تھا اور اُس پر جواہرات جڑے تھے دلہن کو لا کر بٹھا دیا۔ گانے والیاں بیٹھی تھیں، اُس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئیں امیر کا گھوڑا دلہن کے منبر تک آیا۔ وہاں آ کر امیر گھوڑے سے اُترا اور

---

[1] سہرا۔

منبر کی پہلی سیڑھی کے پاس کھڑے ہو کر زمین بوس کیا اس وقت دلہن کھڑی ہو گئی پھر دلہن نے اپنے ہاتھ سے امیر کو پان دیا اور پھر امیر دولہن سے ایک سیڑھی نیچے بیٹھ گیا۔ اور اُس کے ساتھیوں پر درہم اور دینار نثار کیے گئے۔ عورتیں تکبیر بھی کہتی جاتی تھیں اور گاتی بھی جاتی تھیں، باہر نوبت اور نقارے بج رہے تھے۔

پھر امیر کھڑا ہوا اور دولہن کا ہاتھ پکڑ کر منبر سے نیچے اُترا۔ امیر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اور دولہن ڈولے پر بیٹھ لی۔ اور دونوں پر درہم اور دینار نثار کیے گئے۔ ڈولے کو غلاموں نے اپنے کندھوں پر اُٹھایا۔ اور بیگمیں گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور باقی عورتیں پیدل تھیں۔ وہ اُن کے آگے آگے جاتی تھیں جب سواری کسی امیر کے گھر کے سامنے سے گزرتی تھی تو باہر نکل کر درہم اور دینار اُن پر بکھیرتا تھا۔ دوسرے دن دولہن نے دولہا کے دوستوں کے گھر کپڑے اور دینار اور درہم بھیجے اور بادشاہ نے بھی اُن میں سے ہر ایک کو ایک ایک گھوڑا مع ساز و سامان کے اور ایک ایک تھیلی جن میں دو سو سے لے کر ہزار تک دینار تھے بھیجے، اور ملک فتح اللہ نے بیگموں کو قسم قسم کے ریشمی کپڑے اور تھیلیاں دیں۔

ہندوستان کا دستور ہے کہ اہلِ عرب سوا دولہا کے اور کوئی کچھ نہیں دیتا۔ اُسی روز لوگوں کی پھر ضیافت کی گئی اور شادی ختم ہو گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ امیر غدا کو مالوہ اور گجرات اور کھمبایت اور نہروالہ جاگیر میں دیے جاویں اور ملک فتح اللہ کو اُس کا نائب مقرر کیا اور امیر کی رتبہ افزائی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی لیکن وہ صحرائی آدمی تھا اُس نے اپنی قدر نہ پہچانی اور صحرائی جہالت نے اُس کو بیس روز میں ادبار کو پہنچا دیا۔

شادی سے ۲۰ دن بعد وہ بادشاہی محل میں گیا۔ اور اندر جانا چاہا۔ امیر حاجب (پردہ دار) نے منع کیا اُس نے کچھ پروا نہ کی اور زبردستی گھسنا چاہا۔ دربان نے اُس کی زلفیں پکڑ لیں اور اُلٹا دھکیل دیا امیر نے اُس کے لاٹھی ماری جو اُس کے ہاتھ میں تھی۔ دربان کے خون نکل آیا۔ یہ شخص امیر کبیر تھا۔ اُس کا باپ غزنی کا قاضی تھا۔ اور سلطان محمود بن سبکتگین کی اولاد میں سے تھا۔ اور بادشاہ اُس کو باپ کہہ کر پکارا کرتا تھا اور اس کے بیٹے کو یعنی اس مضروب کو بھائی کہا کرتا تھا۔ وہ بادشاہ کے پاس گیا۔ اُس کے کپڑے خون سے آلودہ تھے۔ اُس نے کہا کہ امیر غدا نے مجھے مارا۔ بادشاہ تھوڑی دیر سوچتا رہا پھر کہا قاضی کے پاس جا کر نالش کرو۔ یہ جرم ایسا ہے کہ بادشاہ کسی کو معاف نہیں کرتا اور اُس کی سزا ہمیشہ موت ہوا کرتی ہے، لیکن پردیسی ہونے کے سبب سے اُس کی

رعایت کی گئی اور ملک تاتار سے کہا کہ ان دونوں کو قاضی کے پاس لے جاوے، قاضی کمال الدین دیوان خانہ میں تھا اور یہ ملک تاتار حاجی تھا اور عربی اچھی بولتا تھا۔ اس نے امیر سے کہا کہ تو نے اُس شخص کو مارا ہے اگر نہیں مارا تو کہہ دے نہیں مارا۔ اِس تقریر میں اشارہ تھا کہ وہ انکار کر جائے لیکن امیر عذا ایک جاہل آدمی تھا اور اُس کو کچھ فخر بھی ہو گیا تھا۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ میں نے مارا ہے اتنے میں مضروب کا باپ بھی آگیا وہ چاہتا تھا کہ صلح کرا دے۔ لیکن سیف الدین نے منظور نہ کیا قاضی نے حکم دیا کہ وہ رات بھر قید رہے۔ اُس کی بیوی نے بادشاہ کے خوف سے نہ اُس کے پاس بسترہ بھیجا نہ کھانے کی خبر لی۔ اُس کے دوستوں کو بھی خوف ہوا اور انہوں نے اپنی اپنی دولت لوگوں کے پاس امانت رکھ دی۔

میں نے ارادہ کیا کہ میں قید خانہ میں جا ملوں۔ ایک امیر مجھے ملا اور میرا مطلب سمجھ کر کہا کہ تو بھول گیا کہ تو نے شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام کے ملنے کا ارادہ کیا تھا اور بادشاہ نے تیرے قتل کا حکم دیا تھا۔ (اُس کا ذکر میں آگے کروں گا) یہ سن کر میں واپس چلا آیا اور دوسرے دن ظہر کے وقت امیر عذا رہا ہو گیا بادشاہ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا جاگیر کا جو حکم دیا تھا وہ منسوخ کر دیا اور اُس کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا۔

بادشاہ کا ایک بہنوئی تھا جس کا نام مغیث الدین ابن ملک الملوک تھا۔ اور بادشاہ کی بہن اُس کی شکایت کرتی کرتی مر گئی تھی اُس وقت لونڈیوں نے یاد کرایا کہ وہ بھی اُس کے ظلم کے سبب مری ہے اور اس کے نسب میں بھی کلام تھا۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے حکم لکھا کہ حرامی اور موش خوار دونوں جلا وطن کیے جائیں۔ موش خوار سے مراد امیر سیف الدین تھا اور حرامی سے امیر مغیث الدین کیونکہ عرب کے بدو یربوع کھاتے ہیں اور وہ جنگلی چوہے کے برابر ہوتا ہے۔ چوبدار آئے کہ اسے جلا وطن کریں۔ اُس نے ارادہ کیا کہ گھر جاوے اور اپنی بیوی سے رخصت ہو آوے لیکن چوبدار پے در پے اُس کے بلانے کے لیے آئے وہ روتا ہوا چلا۔ میں اُس وقت محل کی طرف گیا اور رات کو وہیں رہا۔ ایک امیر نے پوچھا کہ تم رات کو یہاں کیوں ٹھیرتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں امیر سیف الدین کے معاملہ میں بادشاہ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کو واپس بلا لے اور ملک بدر نہ کرے اس نے کہا کہ یہ ممکن ہی نہیں میں نے کہا اگر سو رات مجھے یہاں ٹھیرنا پڑے گا تو نہ جاؤں گا۔ جب تک میرا مطلب پورا نہ ہو جائے گا۔ بادشاہ کو بھی یہ خبر پہنچی۔ اُس نے حکم دیا کہ امیر سیف کو واپس بلا لو اور پھر حکم دیا کہ وہ ملک قبولہ لاہوری کی خدمت میں رہا کرے چنانچہ چار برس تک وہ اُس کے پاس رہا حضر میں اور سفر میں اور سب

آداب اور طریقے سیکھ گیا پھر بادشاہ نے اُس کو اُس کے مرتبے پر بحال کر دیا اور اُس کو جاگیر دی اور لشکر کا سردار بنایا۔

خواجہ جہاں کی لڑکیوں کی شادی

بادشاہ نے خود نائب بن کر سارے کام کیے

خداوند اور قوام الدین قاضی ترمذ جن کے ساتھ میں ملتان سے دہلی آیا تھا۔ جب دہلی پہنچے تو بادشاہ نے اُن کی بہت خاطر و مدارت کی اور بڑا عمدہ سلوک مرعی رکھا، پھر اُس کے دونوں بیٹوں کے ساتھ وزیر خواجہ جہاں کی لڑکیوں کا نکاح کر دیا۔

وزیر اُس وقت دارالخلافہ میں نہ تھا۔ بادشاہ نے لڑکیوں کے باپ کا نائب ہو کر وزیر کے محل میں آ کر اُس کی بیٹیوں کا نکاح کر دیا۔ جب تک قاضی القضاۃ نے نکاح پڑھایا بادشاہ کھڑا رہا اور امیر اور حاضرین بیٹھے رہے۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے کپڑے اور تھیلیاں اُٹھا کر قاضی کو اور خداوند کے بیٹوں کو دیں۔ یہ دیکھ کر اور امیر بھی کھڑے ہو گئے اور عرض کی حضور یہ کام نہ کریں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ اور پھر اپنی جگہ ایک امیر کو کھڑا کر کے خود چلا گیا۔

دین دار بادشاہ

ایک ہندو کا بادشاہ پر دعویٰ، مظلوم کی داد رسی، قحط زدوں کی مدد

ایک ہندو امیر نے بادشاہ پر دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اُس کے بھائی کو بلا سبب مار ڈالا۔

بادشاہ بالکل غیر مسلح اور پا پیادہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا، وہاں جا کر سلام

اور تعظیم کی، قاضی کو پہلے حکم دے دیا تھا۔ کہ جب میں آؤں تو قاضی تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہو اور نہ کسی طرح کی حرکت کرے۔ بادشاہ قاضی کے سامنے کھڑا ہوا قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ مدعی کو راضی کرلے ورنہ قصاص کا حکم ہوگا۔ بادشاہ نے اسے راضی کرلیا۔[1]

ایک دفعہ ایک مسلمان نے اُس پر مال کا دعویٰ کیا۔ جھگڑا قاضی کے سامنے پیش ہوا۔ قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ اُس کا مال دیدے، بادشاہ نے دیدیا۔

ایک دفعہ ایک امیر کے لڑکے نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے بلا سبب مجھے مارا ہے۔ قاضی نے حکم دیا کہ یا تو لڑکے کو راضی کر۔ ورنہ قصاص کے لیے تیار ہوجا۔ میں نے دیکھا کہ اُس نے دربار میں آکر لڑکے کو بلایا اور اُس کو چھڑی دے کر کہا کہ اپنا بدلہ لے لے اور اُس کو اپنے سر کی قسم دلائی کہ جیسا میں نے تجھ کو مارا تھا تو بھی مار۔ لڑکے نے ہاتھ میں چھڑی لے کر اکیس چھڑیاں بادشاہ کے لگائیں یہاں تک کہ ایک دفعہ اُس کی کلاہ بھی سر سے گر پڑی۔

باجماعت، نماز نہ پڑھنے والوں پر بادشاہ کا عتاب

بادشاہ نماز کے بارے میں بہت تاکید کرتا اُس کا حکم تھا کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اسے سزا دی جائے۔

ایک روز اُس نے نو آدمی اس بات پر قتل کرڈالے ان میں سے ایک مطرب بھی تھا۔ اس کام پر بہت سے آدمی لگائے ہوئے تھے کہ جماعت کے وقت جو شخص بازار میں مل جائے اسے پکڑ لاؤ یہاں تک کہ سائس لوگ جو دیوان خانہ کے دروازے پر گھوڑے لیے رہتے تھے اُن کو بھی پکڑنا شروع کیا۔ حکم تھا کہ ہر شخص فرائض نماز و شرائط اسلام سیکھے۔ لوگوں سے سوال کیے جاتے تھے اور اگر کوئی اچھی طرح سے جواب نہیں دے سکتا تھا تو سزا ملتی تھی۔ تمام لوگ بازاروں میں نماز کے مسائل یاد کرتے پھرتے تھے۔ اور کاغذوں پر لکھواتے تھے۔

احکام شرع کی پابندی کی بھی سخت تاکید کرتا تھا۔ اپنے بھائی مبارک خاں کو حکم دیا تھا کہ دیوان خانہ میں قاضی کے ساتھ بیٹھ کر انصاف کرائے اسے حکم تھا کہ ایک بلند برج میں بیٹھے اور قاضی کے واسطے اُسی برج میں ایک مسند بادشاہ کی مسند کی طرح لگائی جاتی تھی۔ مبارک خاں

---

[1] فدیہ دے کر۔

قاضی کے دائیں ہاتھ بیٹھتا تھا۔ اگر کسی شخص کا دعویٰ کسی بڑے امیر پر ہوتا تھا تو مبارک خاں کے سپاہی اُس امیر کو بلا کر قاضی کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اور قاضی پوری پوری داد رسی کرتا تھا!

۷۴۱ھ میں بادشاہ نے حکم دیا کہ سوا زکوٰۃ اور عشر کے اور سب محصول اور ڈنڈ معاف کر دیے جاویں اور خود ہفتے میں دو دفعہ پیر اور جمعرات کے دن داد رسی کی غرض سے دیوان خانہ کے سامنے ایک میدان میں بیٹھتا تھا۔

اُس روز اُس کے سامنے فقط امیر حاجب و خاص حاجب اور سید الحجاب اور شرف الحجاب چار شخص ہوتے تھے۔ عام اجازت تھی جس کسی کو شکایت کرنا ہو عرض کرے چار امیروں کو چار دروازوں پر مقرر کیا تھا کہ وہ مستغیثوں کی شکایتیں قلم بند کریں اُن میں سے چوتھا ملک فیروز بادشاہ کا چچازاد بھائی تھا۔ اگر پہلے دروازے والا شکایت لکھ بھیجتا تو فبہا ورنہ وہ دوسرے دروازے والے کے پاس آتا اگر وہ بھی نہ لکھتا تو تیسرے اور چوتھے دروازہ والے کے پاس اگر وہ بھی انکار کرتا تو صدر جہاں قاضی القضاۃ کے پاس اگر وہ بھی نہ لکھتا تو بادشاہ کے پاس آنے کی اجازت ہوتی اگر بادشاہ کو یقین ہو جاتا تھا کہ ان میں کسی کے پاس وہ گیا تھا اور انہوں نے اُس کی شکایت نہیں لکھی تو سخت زجر و توبیخ کرتا یہ ساری تحریریں بادشاہ عشا کے بعد خود مطالعہ کیا کرتا تھا۔

جب ہندوستان اور سندھ میں قحط پڑا یہاں تک کہ گیہوں چھ دینار فی من ہو گئے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ دہلی کے کل باشندوں کو بلا تمیز چھوٹے بڑے یا غلام و آزاد کے بحساب ڈیڑھ رطل مغربی روزانہ فی کس چھ مہینے کا ذخیرہ سرکاری گودام سے دے دو۔ فقیہ اور قاضی محلہ کی فہرست تیار کرتے تھے اور لوگوں کو حاضر کرتے تھے ہر شخص کو چھ مہینے کی خوراک دی جاتی تھی [1]

---

[1] جب اناج نہ امریکہ سے آسکتا تھا نہ آسٹریلیا سے۔

●

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو، خدا کے بندوں سے پیار ہو گا "

●

تصویر کے ۲ دو رُخ

دوسرا رُخ

- شکنجۂ انتقام
- قتلِ بے دریغ
- جلاد کی تلوار
- پھانسی کی کوٹھری
- داستانِ زنداں
- ضبطی جائداد و املاک

خوں ریز اور سفاک بادشاہ

اب تک بادشاہ کی تواضع، انصاف، انق وکرم کے واقعات جو سب غیر معمولی اور فوق العادت تھے میں نے بیان کیے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ خوں ریزی پر نہایت دلیر تھا ایسا کبھی شاذو نادر ہوتا تھا کہ اُس کے دروازے پر کوئی شخص قتل نہ کیا جاتا۔ اکثر نعشیں دروازے پر پڑی رہتی تھیں۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں محل جا رہا تھا، میرا گھوڑا ایک سفید سی چیز دیکھ کر چمکا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔؟ میرے ہمراہی نے کہا یہ ایک شخص کا سینہ ہے جس کے تین ٹکڑے کیے گئے ہیں۔

یہ بادشاہ چھوٹے بڑے جرم پر برابر سزا دیتا تھا۔ نہ اہل علم کا لحاظ کرتا تھا اور نہ شریفوں کا نہ صالحین کا۔ دیوان خانہ میں ہر روز سینکڑوں آدمی ہتکڑی بیڑی میں جکڑے حاضر کیے جاتے تھے بعض قتل کیے جاتے تھے۔ اور بعض کو عذاب دیا جاتا تھا۔ اور بعض مارے جاتے تھے اس کا دستور تھا کہ سوا جمعہ کے ہر روز کُل قیدیوں کو دیوان خانہ میں بلاتا تھا۔ جمعہ کے روز وہ غسل اور حجامت کرتے تھے اور آرام کرتے تھے۔ اللہ بلا سے پناہ میں رکھے!

سوتیلی ماں اور بھائی کا قتل

تین سو سپاہی بیک وقت قتل کروا ڈالے

بادشاہ کا ایک بھائی مسعود خان تھا۔ اُس کی ماں سلطان علاء الدین کی بیٹی تھی۔ یہ شخص ایسا خوب صورت تھا کہ میں نے اُس کا ثانی نہیں دیکھا۔ اُس پر تہمت لگائی گئی کہ بغاوت کرنا چاہتا ہے

جب اُس سے دریافت کیا تو تعزیر کے ڈر سے اُس نے اقرار کر لیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایسے جرموں میں انکار کرنے والوں کو طرح طرح کا عذاب دیا جاتا ہے جس کی نسبت ایک دفعہ مرنا آسان ہوتا ہے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ بازار کے چوک میں لے جا کر اُس کی گردن مار دو چنانچہ قتل ہونے کے بعد تین دن تک بے گور و کفن نعش وہیں پڑی رہی اُس کی والدہ دو برس پہلے اسی جگہ سنگسار کی گئی تھی کیونکہ اُس نے زنا کا اقرار کیا تھا اور قاضی کمال الدین نے اُس کو سنگسار کیا تھا[1]۔

ایک دفعہ بادشاہ نے ملک یوسف بغرا کی سرداری میں ایک کوہستانی علاقہ کے ہندوؤں سے لڑنے کو ایک بڑا لشکر بھیجا۔ یوسف مع لشکر کے شہر سے باہر نکلا تین سو پچاس آدمی روپوش ہو گئے اور گھر واپس چلے آئے۔ یوسف نے بادشاہ کو لکھا بادشاہ نے حکم دیا کہ گلی گلی آدمی پھر جائیں جو کوئی فراریوں میں سے ملے اُس کو پکڑ لاویں چنانچہ تین سو پچاس آدمی پکڑے گئے۔ ان سب کو ایک ہی جگہ مروا ڈالا۔

بوریۂ فقر اور تختِ شاہی کی ٹکر

حضرت شیخ شہاب الدین کی تحقیر اور بے دردانہ قتل

شیخ شہاب الدین[2] بن شیخ احمد جام خراسانی کا شمار شہر کے کبار مشائخ اور فضلا میں تھا وہ چودہ دن تک برابر روزہ رکھتے تھے۔ سلطان قطب الدین اور سلطان غیاث الدین تغلق ان کی زیارت کو جاتے تھے۔ اور اُن سے دعا کی آرزو رکھتے تھے۔

---

[1] دہشت کے باعث، لیکن اس واقعہ کی صداقت مشتبہ ہے۔

[2] شیخ شہاب الدین شیخ احمد جام صاحبِ طریقت و شریعت بزرگ تھے۔ دہلی میں ان کی شخصیت مرجع انام تھی، سلاطین دہلی میں سے جو بادشاہ (مثلاً غیاث الدین تغلق وغیرہ) نظام الدین اولیا سے پرخاش رکھتا تھا وہ انہیں اپنا مرشد بنا لیتا تھا، کیونکہ دونوں میں کچھ اختلافات تھے۔

سلطان محمد شاہ بادشاہ ہوا تو اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مشائخ اور عالموں کو اپنی نج کی خدمتیں سپرد کیا کرتا تھا اور یہ دلیل لاتا تھا کہ خلفائے راشدین سوا اہل علم اور اہل صلاح کے کسی کو کوئی خدمت سپرد نہ کرتے تھے۔ شیخ شہاب الدین نے انکار کیا۔ جب بادشاہ نے دربار عام میں بالمشافہ کہا تو بھی انکار کیا۔ بادشاہ غصہ ہوا اور شیخ ضیاء الدین سمنانی کو حکم دیا کہ شیخ شہاب الدین کی ڈاڑھی کے بال نوچے۔ ضیاء الدین نے انکار کیا اور کہا کہ میں یہ کام نہیں کروں گا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان دونوں کی داڑھی نوچی جائے۔ چنانچہ نوچی گئی۔ ضیاء الدین کو تلنگونہ (تلنگانہ) کی طرف نکال دیا اور کچھ مدت کے بعد اُس کو وارنگل (ورنگل) کا قاضی مقرر کیا۔ شہاب الدین کو دولت آباد بھیج دیا وہ وہاں سات برس تک رہے پھر انہیں واپس بلا لیا۔ اور بہت تعظیم و تکریم کی اور اُن کو عاملوں سے بقایا وصول کرنے کا کام سپرد کیا۔ پھر وہاں سے بُلا بھیجا اور اُن کی نہایت تعظیم و تکریم کی اور اس محکمہ کا جو عاملوں سے بقایا وصول کرتے ہیں۔ دیوان مقرر کر دیا پھر اُن کی تعظیم افزائی کی۔ امیروں کو حکم دیا کہ اُن کے پاس سلام کو جایا کریں اور جو کچھ وہ کہیں عمل کیا کریں یہاں تک کہ بادشاہ کے گھر میں کوئی شخص اُن سے اعلیٰ عہدہ پر نہیں تھا۔

جب بادشاہ نے دریائے گنگ پر جا کر اپنے لیے ایک محل بنایا جس کا نام اس نے "سرگ دوارہ" رکھا تو لوگوں کو حکم دیا کہ وہاں اپنے اپنے مکان بنا دیں شیخ شہاب الدین نے اجازت چاہی کہ وہ دہلی میں رہیں بادشاہ نے اجازت دے دی اور شہر سے چھ میل کے فاصلے پر ایک بڑا بنجر رقبہ عطا کر دیا۔ شیخ شہاب الدین نے ایک بڑا غار کھدوایا اور اُس کے اندر گھر اور گودام اور تنور اور حمام ہر طرح کی تعمیرات بنوائیں اور دریائے جمنا سے ایک نہر کاٹ کر زمین کو آباد کیا۔ چونکہ قحط کا زمانہ تھا غلے کی آمدنی سے بہت فائدہ ہوا۔ اڑھائی برس تک جب تک بادشاہ دہلی سے باہر رہا شیخ شہاب الدین اپنے غار میں رہے اُن کے خادم دن میں زمین کا کام کرتے تھے اور رات کو مع مویشی کے غار کے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے تھے۔ کیونکہ قرب و جوار کے پہاڑوں میں چور بہت رہتے تھے۔

جب بادشاہ دارالخلافہ کی طرف واپس آیا تو شیخ شہاب الدین نے سات میل کے فاصلہ پر جا کر بادشاہ کا استقبال کیا بادشاہ نے بہت تعظیم و تکریم کی اور خوب گلے لگ کر ملا۔ پھر شیخ شہاب الدین اپنے غار کی طرف واپس چلے آئے۔ کچھ عرصہ بعد اُس نے پھر شیخ کو بلا بھیجا۔ شیخ شہاب الدین نے حاضر ہونے سے انکار کیا، بادشاہ نے مخلص الملک ندر باری کو جو امرائے عظام میں سے تھا

اُن کے پاس بھیجا۔ اُس نے نہایت ملائمت سے گفتگو کر کے بادشاہ کے غضب سے اُن کو ڈرایا۔

شیخ نے کہا میں اس ظالم بادشاہ کی خدمت ہرگز نہ کروں گا۔

مخلص الملک بادشاہ کے پاس واپس آیا اور جو کچھ شیخ نے کہا تھا اُس سے جا کہا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ کو پکڑ لائیں چنانچہ پکڑ لائے۔

بادشاہ نے پوچھا تو مجھے ظالم کہتا ہے۔

شیخ نے کہا ہاں تو ظالم ہے اور فلاں فلاں ظلم تو نے کیے ہیں۔

شیخ نے دہلی کے اُجڑ جانے اور وہاں کے باشندوں کو دولت آباد لے جانے کا ذکر کیا۔

بادشاہ نے تلوار نکالی اور صدر جہاں کے ہاتھ میں دی اور اُس سے کہا کہ مجھے ظالم ثابت کر اور میری گردن اس تلوار سے اڑا دے۔

شیخ شہاب الدین نے کہا کہ جو شخص تجھ پر ظالم ہونے کی شہادت دے گا وہ خود قتل کیا جائے گا لیکن تو خوب جانتا ہے کہ تو ظالم ہے۔

بادشاہ نے شیخ کو ملک نکبہ دوادار کے حوالے کیا اُس نے اُن کے پاؤں میں چار بیڑیاں ڈالیں اور ـــــ دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالیں۔ چودہ دن برابر شیخ نے نہ کچھ کھایا نہ پیا، ہر روز ـــ دیوان خانہ میں لاتے تھے فقہا اور مشائخ کے سامنے اُن سے کہا گیا کہ اپنے قول کو واپس لے لیں۔

شیخ نے کہا کہ میں واپس نہیں لیتا اور شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔

چودھویں دن بادشاہ نے شیخ کو مخلص الملک کے ہاتھ کھانا بھجوایا لیکن شیخ نے کھانے سے انکار کیا اور کہا میرا رزق زمین سے اُٹھ گیا۔ بادشاہ کا کھانا اُس کے پاس واپس لے جاؤ۔

بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ڈیڑھ سیر گوبر کھلائیں۔ اس کام پر ہندو کافر مقرر ہوتے ہیں۔ انھوں نے شیخ کو چت لٹایا اور اُس کا منہ قلابوں سے کھول کر پانی میں ملا کر گوبر پلایا۔ دوسرے دن شیخ کو قاضی صدر جہاں کے پاس لے گئے اور وہاں تمام مولویوں اور مشائخوں اور پردیسیوں نے نصیحت کی کہ اپنا قول واپس لے لیں شیخ نے انکار کیا۔ اس لیے اُن کا سر کاٹا گیا۔ خدا اُن پر رحم کرے۔

دو سندھی عالموں کا قتل

غلط الزام کے اقرار کے بعد بھی قتل اور انکار کے بعد بھی قتل

ایک عالم دین کا قتل

سندھ کے دو فقیہہ بادشاہ کے ملازم تھے، بادشاہ نے ایک دفعہ ایک امیر کو کسی ملک کا حاکم مقرر کیا اور ان دونوں کو حکم دیا کہ تم اس کے ساتھ جاؤ۔ میں نے اس ملک کی رعیت تمہارے سپرد کی ہے یہ امیر ہمیشہ تمہارے کہے پر عمل کرے گا۔

اُن دونوں نے کہا ہم بطور گواہ ہوں گے اور جو کچھ راست ہوا کرے گا بتا دیا کریں گے بادشاہ نے کہا تمہاری نیت درست نہیں معلوم ہوتی۔ تمہاری نیت یہ ہے کہ تم پرایا مال کھاؤ اور اس جاہل ترکی کے ذمہ الزام لگا کر اسے پھنسا دو۔

فقیہوں نے کہا کہ اے اخوند عالم پناہ بخدا ہماری یہ نیت نہیں ہے۔

بادشاہ نے کہا کہ نہیں تمہاری یہی نیت ہے۔

حکم دیا کہ ان دونوں کو شیخ زادہ نہاوندی کے پاس لے جاؤ۔ یہ شخص لوگوں کو عذاب دینے پر مقرر تھا، بیچاروں کو اُس کے پاس لے گئے اُس نے سمجھایا بادشاہ تم کو قتل کرنا چاہتا ہے جو کچھ کہتا ہے اُس کا اقبال کر لو۔ اور اپنی جان کو عذاب سے بچاؤ۔

دونوں نے کہا کہ ہماری نیت وہی تھی جو بادشاہ سے ہم کہہ چکے ہیں۔

شیخ زادہ نہاوندی نے اپنے نوکروں سے کہا کہ ان کو کچھ عذاب کا مزا چکھاؤ چنانچہ وہ چت لٹائے گئے اُن کے سینوں پر ایک ایک گرم لوہے کی سِل رکھی گئی پھر وہ سِل اُٹھالی گئی تو تمام سینے کا گوشت اس کے ساتھ آ گیا پھر زخموں پر پیشاب اور راکھ ملا کر ڈالی گئی۔ تب انہوں نے اقبال کیا کہ ہماری نیت وہی تھی جو بادشاہ کہتا ہے۔ ہم گنہگار ہیں اور قتل کے مستحق ہیں اگر ہم قتل کیے جاویں تو دین دنیا میں ہمیں کچھ دعویٰ نہیں۔

چنانچہ اس مضمون کا خط اُن دونوں نے لکھ دیا اور قاضی کے پاس اُس کی تصدیق کرنے

کے لیے لے گئے۔ قاضی نے اس پر مہر کی اور اپنے ہاتھ سے لکھا کہ یہ دونوں شخص بغیر اکراہ و جبر کے اقبال کرتے ہیں اگر وہ کہتے کہ یہ اقبال ہم سے زبردستی لیا گیا ہے تو ان کو طرح طرح کا عذاب دیا جاتا انہوں نے سمجھا کہ ایک دفعہ گردن ماری جائے تو عذاب سے بہتر ہے، چنانچہ دونوں خدا اُن پر رحم کرے قتل کیے گئے[۲]

قحط کے دنوں میں بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ دارالخلافہ کے باہر کنوئیں کھودے جائیں اور اُن سے کھیتی کی جائے۔ لوگوں کو اپنے پاس سے بیج دیے اور زراعت کے لیے ضروری سامان حوالے کیا لیکن یہ زراعت زبردستی بادشاہی گودام کے لیے کراتا تھا۔

فقیہ عفیف الدین کاشانی کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُس نے کہا ایسی زراعت سے کچھ نہیں حاصل ہوگا۔

کسی نے بادشاہ سے بھی جا کہا بادشاہ نے اسے قید کر لیا اور کہا تو امور سلطنت میں کیوں دخل دیتا ہے۔؟

کچھ دنوں بعد رہا کر دیا فقیہ اپنے گھر جا رہا تھا کہ راستے میں دو فقیہ ملے جو اُس کے دوست تھے انہوں نے کہا خدا کا شکر ہے کہ تیری خلاصی ہوئی۔

عفیف الدین نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے ظالموں کے ہاتھ سے نجات دی۔ عفیف الدین اپنے گھر چلا گیا اور وہ دونوں فقیہ اپنے گھر چلے گئے۔

بادشاہ کو خبر پہنچی اس نے کہا کہ تینوں کو حاضر کیا جاوے چنانچہ تینوں حاضر کیے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عفیف الدین کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں اور اُن دونوں کی گردنیں مارنے کا حکم دیا۔ اُن دونوں نے کہا کہ عفیف الدین کا تو یہ قصور ہے کہ اُس نے تجھے ظالم کہا لیکن ہمیں کس گناہ پر مارتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم نے اس کا کلام سُن کر اُس کی تردید نہیں کی تو گویا تم نے بھی اُس کے قول سے اتفاق کیا چنانچہ تینوں کو (اللہ اُن پر رحمت کرے) قتل کیا۔

---

[۱] گو یا روں کی حکومت کا اقرار جرم کرا کے قتل کرنے کا طریقہ نیا نہیں ہے، "یونہی ازل سے مرے یار ہوتی آئی ہے۔"

[۲] اس سے تغلق کے نظام مخبری کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

شیخ زادہ ہُود کا قتل

خود ہی سجادہ نشین بنایا، خود ہی قتل کر دیا

شیخ زادہ ہُود شیخ رکن الدین ملتانی کا پوتا تھا اور بادشاہ اُس کے دادا شیخ رکن الدین قریشی کی بہت تعظیم کرتا تھا اور اسی طرح سے اُس کے بھائی عماد الدین کی بھی۔ یہ عماد الدین بادشاہ سے شکل میں بہت ملتا جلتا تھا چنانچہ کشلو خاں کی لڑائی کے دن دشمنوں نے اسے بادشاہ سمجھ کر مار ڈالا جب عماد الدین مارا گیا تو بادشاہ نے اُس کے بھائی شیخ رکن الدین کو مصارف خانقاہ کے لیے سو گاؤں جاگیر میں دیے۔

شیخ رکن الدین کی وفات کے بعد شیخ ہُود اپنے دادا کی وصیت کے بموجب خانقاہ کے متولی مقرر ہوئے لیکن شیخ رکن الدین کے ایک بھتیجے نے تنازعہ کیا اور کہا کہ میں اپنے چچا کی میراث کا زیادہ تر مستحق ہوں پھر وہ دونوں بادشاہ کے پاس دولت آباد آ گئے۔ دولت آباد ملتان سے اسّی منزل ہے۔ بادشاہ نے شیخ کی وصیت کے بموجب ہود کو سجادہ نشین مقرر کر دیا۔ ہود عمر میں بڑا تھا اور شیخ رکن الدین کا بھتیجا ابھی نوجوان تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ ہود کی نہایت تعظیم اور تکریم کی جائے اور جس منزل میں ٹھہرے بادشاہ کی طرف سے دعوت کی جاوے۔ شہر کے مشائخ اور حکام کو حکم دیا کہ اُس کا استقبال کرنے جائیں جب وہ دارالخلافہ میں پہنچا تو شہر کے کل مولوی قاضی اور مشائخ استقبال کے لیے باہر آئے میں بھی اُن میں شامل تھا۔ شیخ پالکی میں سوار تھا جسے کہار لیے جاتے تھے اُس کے گھوڑے کوتل چلے آ رہے تھے۔ ہم نے اسے سلام کیا مگر اُس کی پالکی میں سوار ہونا پسند نہ کیا۔ میں نے کسی سے ذکر کیا کہ اُس کو چاہئے گھوڑے پر سوار ہو جائے اور قاضی اور مشائخ استقبال کرنے آئے ہیں اُن کے ساتھ سوار ہو کر چلے۔ کسی نے اس سے کہہ دیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو لیا۔ اور عذر کیا اور کہا کہ بسبب درد کے گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا تھا۔

جب دارالخلافہ میں پہنچے تو بادشاہ کی طرف سے دعوت دی گئی۔ اس میں قاضی اور مولوی اور پردیسی سب بلائے گئے۔ جب کھانا کھا چکے تو ہر ایک کو علی القدر استحقاق نذر بھی دی گئی۔ چنانچہ

قاضی القضاۃ کو پانچ سو دینار اور مجھے اڑھائی سو دینار۔ یہ اُس ملک کا دستور ہے کہ ہر ایک شاہی دعوت پر اس کی نذریں دی جاتی ہیں۔

پھر شیخ ہُود مُلتان کی طرف رخصت ہوئے۔ بادشاہ نے اُن کے ساتھ شیخ نورالدین شیرازی کو بھیجا کہ ملتان جاکر رسم سجادگی ادا کرائے۔ بادشاہ کے خرچ سے وہاں بھی ایک بڑی دعوت دی گئی۔

شیخ ہُود کئی سال تک سجادہ نشین رہا۔

ایک دفعہ عمادالملک حاکم سندھ نے بادشاہ کو لکھا کہ شیخ ہُود اور اس کے رشتہ دار مال جمع کرتے ہیں اور بیجا کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ خانقاہ میں کسی کو روٹی نہیں دیتے۔ بادشاہ کا حکم صادر ہوا کہ اُن کا مال ضبط کرلیا جائے۔ عمادالملک نے انہیں طلب کیا بعض کو قتل کیا اور بعض کو مارا پیٹا۔ کچھ دنوں تک ہر روز بیس ہزار دینار وصول کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اُن کے پاس کچھ نہ رہا۔ اُن کے گھروں سے بہت مال اسباب نکلا۔ چنانچہ ایک جوتیوں کا جوڑا تھا جس پر جواہر اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس کی قیمت سات ہزار دینار تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ جوتیوں کا جوڑا شیخ ہُود کی بیٹی کا تھا۔ کوئی کہتا ہے اُس کی لونڈی کا۔ جب شیخ پر بہت سختی ہوئی تو اس نے ترکستان بھاگ جانے کا ارادہ کیا لیکن ایک شخص نے پکڑ لیا۔ عمادالملک نے بادشاہ کو لکھا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ ہُود کو اور اُس شخص کو جس نے اُسے پکڑا ہے ایک جگہ باندھ کر بھیج دیوے۔ جب دونوں دارالخلافہ پہنچے تو جس شخص نے شیخ ہود کو پکڑا تھا اسے رہا کر دیا اور شیخ سے پوچھا کہ تو نے کہاں بھاگنے کا ارادہ کیا تھا۔ شیخ نے عذر کیا۔

بادشاہ نے کہا تیرا ارادہ تھا کہ ترکستان جائے۔ اور وہاں جاکر کہے کہ میں بہاءالدین ذکریا ملتانی کا بیٹا ہوں اور بادشاہ نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے اور ترکوں کو مجھ پر چڑھا لائے؟ —— "مار دو اس کی گردن" فوراً تعمیل حکم ہوئی۔ خدا اس پر رحمت کرے۔

مقتول کے بیٹوں کا قتل، تعمیل حکم کرنیوالے قاضی کا قتل

شیخ صالح شمس الدین ابن تاج العارفین کوئل[1] شہر میں رہتے تھے وہ تارک الدنیا اور زاہد

[1] موجودہ علی گڑھ۔

تھے۔ جب بادشاہ کوئل گیا تو شیخ شمس الدین کو بلا بھیجا وہ نہ آئے تو بادشاہ خود اُن کے پاس گیا اور جب اُن کے گھر کے قریب پہنچا تو وہ کہیں چل دیے اور بادشاہ سے ملاقات نہ کی اِس کے بعد یہ اتفاق ہوا کہ ایک امیر نے بغاوت کی اور لوگوں نے اُس کی بیعت کی۔ بادشاہ سے کسی نے جا کر کہا کہ ایک موقع پر جب شیخ شمس الدین کی مجلس میں اُس امیر کا ذکر ہو رہا تھا تو شیخ نے امیر کی تعریف کی اور کہا کہ وہ بادشاہی کے لائق ہے یہ سُن کر بادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا کہ شمس الدین کو قید کر لائے۔ اُس نے شیخ کو اور شیخ کے بیٹوں کو اور کوئل کے قاضی اور محتسب کو قتل کر دیا۔ کیونکہ وہ بھی اس مجلس میں حاضر تھے۔ جس میں شیخ نے امیر کی تعریف کی تھی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ ان تینوں کو قید کیا جائے اور قاضی اور محتسب کی آنکھوں میں سلائی پھیری جاوے۔ شمس الدین قید میں گئے۔ اور قاضی اور محتسب کو ہر روز بھیک مانگنے کے واسطے باہر لاتے تھے اور پھر قید خانہ میں لے جاتے تھے۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی کہ شیخ شمس الدین کے بیٹے ہندوؤں سے نہایت اختلاط کرتے ہیں اور باغی ہندوؤں کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔ جب شیخ شمس الدین مر گئے تو اُن کے بیٹوں کو قید خانہ سے باہر لائے۔ بادشاہ نے اُن سے کہا کہ پھر ایسا نہ کرنا انہوں نے کہا کہ ہم نے کچھ نہیں کیا ہے۔ اُس پر بادشاہ کو غصہ آیا اور اُن سب کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔

قاضی صاحب کی گردن اُڑا دی گئی

پھر قاضی کو بلایا اور کہا اُن سب کے نام بتاؤ جو ان مقتولوں کے ساتھی اور اُن کی پیروی کرتے تھے۔ اُس نے بہت سے ہندوؤں کے نام بتلا دیے بادشاہ نے جب وہ فہرست دیکھی تو کہا کہ یہ شخص میری رعیت کو اُجاڑنا چاہتا ہے[1]۔ اس کی گردن مارو۔ چنانچہ قاضی کی گردن مار دی۔

---

[1] اس ستم ظریفی کی کوئی حد ہے۔؟